سفر مصر و حجاز

پیش لفظ

یہ خیال بھی نہ تھا کہ مجھے سفرنامہ لکھنا پڑے گا، ورنہ روزنامچہ پابندی سے لکھتا اور سچی بات تو یہ ہے کہ قیامِ قاہرہ کے ایّام جس قدر مشغول گذرے، ان میں تفصیلی روزنامچے کا روزانہ لکھنا میرے خیال میں ممکن بھی نہ تھا۔

دوسرا حادثہ میرے ساتھ یہ پیش آیا کہ مصر کے آثار اور نئی ترقیات (اسوان، محلۃ الکبریٰ وغیرہ) سے متعلق کاغذات اور موتمر کی کارروائی، مقالے، لٹریچر اور کتابیں جو مجھے مصر میں ملی تھیں، وہ اب تک ہندوستان نہ آسکیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میرے پاس صرف مختصر ہی نہیں بلکہ نامکمل اور غیر مرتّب روزنامچہ کے سوا کچھ نہیں اور روزنامچہ کی بھی متعدد تاریخیں خالی ہیں۔ بہرحال اسی ناقص مواد سے سفرنامہ مرتّب کیا ہے اور جو کچھ ہو سکا ہے وہ سامنے ہے۔

ایک مسافر جب کسی ملک میں جاتا ہے، تو وہاں کی ہر چیز پر اس کی نگاہ گہری اور ناقدانہ پڑتی ہے۔ وہ ملک کے سیاسی، اقتصادی، سماجی، تعلیمی، اور معاشرتی حالات کا گہرا مطالعہ کرتا ہے۔ اس کے متعلق پورا مواد فراہم کرتا ہے اور پھر ان معاملات پر اپنی سوچی سمجھی رائے دیتا ہے جس سے لوگوں کو ملک کے اندرونی اور بیرونی معاملات

کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ لیکن افسوس کہ میرے ساتھ یہ صورت حال بھی پیش نہ آسکی اور اس سفر نامہ کو آپ عموماً تنقید و تبصرہ سے خالی پائیں گے۔

پہلی بات تو یہ کہ میرا یہ سفر ایک سیّاح کی حیثیت سے نہ تھا، بلکہ مجھکو موتمر اسلامی میں شرکت کے لئے بلایا گیا تھا اور گیا بھی اسی لئے تھا اور موتمر عالم اسلامی میں شرکت کے بعد اتنا وقت کہاں تھا کہ تمام چیزوں کا گہرا مطالعہ کیا جائے اس کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں اور پھر اس پر تبصرہ کیا جائے اور اپنی رائے دی جائے۔

دوسری بات یہ کہ نئے ملک کے معاملات سے متعلق صحیح اور مضبوط رائے قائم کرنے کے لئے کم از کم جتنے دنوں قیام کی ضرورت تھی اس کا موقع بھی مجھکو نہ مل سکا۔

ان حالات میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ ملک کے معاملات و مسائل پر تنقید و رائے زنی سے پرہیز کیا جائے اور صرف وہ حالات لکھ دیئے جائیں، جو میں نے دیکھے یا معلوم ہوئے۔ ہاں میں نے اس کی ضرور کوشش کی ہے کہ حالات و واقعات اس طرح لکھے جائیں کہ اس کی اصل تصویر سامنے آجائے اور پڑھنے والا یہ سمجھے کہ میں خود دیکھ رہا ہوں ـــ اتنی بات ضرور ہے کہ کہیں کہیں بیان حال اور اظہار واقعہ قلم سے اس طرح ہوا ہے کہ اس انداز تحریر سے میری رائے معلوم کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ بات بالکل لازمی تھی۔ اس مقام پر انداز تحریر بے ساختہ ہے، اس کو بدلنا میرے بس میں نہ تھا۔

اس ”سفر نامہ“ کی ترتیب و تبییض اور طباعت میں میرے متعدد عزیزوں اور مخلصوں نے میرے ساتھ پورا تعاون کیا ہے۔ میں ان کا مشکور ہوں۔ حق تعالیٰ انہیں علم و عمل سے نوازے۔

منت اللہ رحمانی

خانقاہ رحمانی ـــ مونگیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ۔ لا شریک لہ۔ والصلوٰۃ والسلام علی محمد لا نبی بعدہٗ۔

غالباً ۲۲ رمضان المبارک ۱۳۸۳ھ کی ڈاک میں سفارتخانہ حکومت مصر برائے ہندوستان کا ایک مکتوب موصول ہوا۔ ڈاکٹر ریاض العتر کلچرل آتاشی حکومت مصر نے لکھا تھا کہ مارچ کے مہینہ میں جدید مسائل دینیہ کی تحقیق اور ان پر باہمی بحث ومشورہ کے لئے حکومت مصر کی نگرانی میں جامعہ ازہر علمائے اسلام کی ایک عالمی کانفرنس بلا رہی ہے۔ اگر آپ اس موتمر میں شرکت منظور کرلیں تو باضابطہ دعوت نامہ بھیجا جائے۔

سائنس اور جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل پر اسلامی نقطہ نگاہ سے سوچنے کی دعوت اس کانفرنس میں دی گئی تھی۔ اور دعوت میرے لئے بہت زیادہ پرکشش تھی۔ اس لئے کہ یوں انفرادی طور پر جدید مسائل کو حل کرنے کے لئے ہندوستان میں مختلف علماء نے جد وجہد کی۔ لیکن کوئی منظم اور ٹھوس اجتماعی کوشش اس سلسلہ میں نہیں ہوسکی تھی۔ یہاں تک کہ ہماری حکومت کے ذمہ دار مسلم پرسنل لا میں ترمیم کی باتیں سوچنے لگے۔ اور پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں شدید بحران پیدا ہوا۔ اور حکومت کو وقتی طور پر سبھی مسلمانوں کے مطالبات کے سامنے جھک جانا پڑا۔ اس موقعہ پر تمدن جدید کے پیدا کردہ مختلف مسائل پر غور کر کے شرعی نقطہ نظر سے مسلمانوں کے لئے راہ عمل متعین کردینے کی ضرورت واضح ہوکر سامنے آئی اور وہ خیال جو ہمارے دلوں میں بہت دنوں سے پرورش پا رہا تھا عمل کی شکل میں نمودار

ہوا۔ یعنی ۳۰ ستمبر ۱۹۶۳ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں راقم الحروف کی صدارت میں ہندوستان کے ہر مسلک و فکر کے علماء کا اجتماع ہوا اور مستقل مجلس کی تشکیل عمل میں آئی۔ اس اجتماع کے موقعہ پر ہم لوگوں نے ممالک اسلامیہ کے علماء سے رابطہ قائم کرنے اور مسائل علمیہ میں ان سے مشورہ کی تجویز بھی طے کی تھی جب حکومت مصر کی یہ دعوت مجھے ملی تو یہ بات میرے لئے خوشی کی تھی کہ وقت کی اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے لئے راہیں ہموار ہوں گی۔ اور مختلف ممالک کے علمائے اسلام مسائل جدیدہ کے متعلق ہم آہنگ فیصلے کر سکیں گے۔

اس قدر پرکشش ہونے کے باوجود اس دعوت کو میں قبول کروں یا نہیں، اس کا فیصلہ کرنے میں کچھ ذاتی اور اجتماعی مشاغل حارج ہو رہے تھے۔ لیکن حج و زیارت کے خیال اور حضرت الاستاذ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی مدظلہ، کے حکم نے مجھے دعوت منظور کر لینے پر مجبور کر دیا۔ اور ۱۰ فروری ۱۹۶۴ء کو میں نے منظوری کا خط لکھ دیا۔

دعوت نامہ کی منظوری کے بعد یہاں میں نے پاسپورٹ کی درخواست کی مقامی حکام نے میرے ساتھ پورا تعاون کیا۔ خاصکر مسٹر شنکر سرن آئی۔ اے۔ ایس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ مونگیر نے تو میرے اس سفر سے غیر معمولی دلچسپی لی۔ اور ہر قدم پر پاسپورٹ کے سلسلے میں میری مدد کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہیں اس بات پر خوشی ہی نہیں فخر ہے کہ ان کے شہر کا ایک رہنے والا عالمی کانگریس میں قاہرہ بلایا جا رہا ہے اب میری درخواست مونگیر کے سارے مراحل طے کر کے (جو ایک ہفتہ کے اندر اندر ختم ہو گئے) کلکتہ پہنچی لیکن ریجنل پاسپورٹ آفس کلکتہ کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔

غیر معمولی سعی و کوشش کے باوجود پہلی مارچ تک پاسپورٹ نہیں آسکا۔ وقت قریب سے قریب تر آتا جارہا ہے۔ لیکن پاسپورٹ کا کہیں پتہ نہیں۔ ۶ر مارچ سے موتمر کا اجلاس شروع ہونے والا تھا مجھے ۲ر کو مونگیر سے روانہ ہونا چاہیئے تھا۔ اور ۴ر مارچ کی شام تک یا ۵ر مارچ کو دہلی سے قاہرہ کے لئے چل دینا تھا۔ لیکن پاسپورٹ نہ ہونے کے باعث روانگی کیا معنی روانگی کی تیاری بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اور اسی لئے میرے مصر جانے کی اطلاع بھی بہت سے احباب و اعزہ کو نہ ہو سکی۔ ڈاکٹر ریاض العتر الملحق الثقافی سفارت مصر کو ٹیلیفون کیا گیا تو ۲ر مارچ کو ان کے دفتار سے فون آیا کہ اگر تمہارے کاغذات وہاں مکمل نہیں ہوئے ہیں تو دہلی چلے آؤ۔ یہاں سارے انتظامات ہو جائیں گے۔

اب اس کا وقت نہ تھا کہ اتنے لمبے سفر کی تیاری بھی کروں اور ٹرین کے ذریعہ ۵ر مارچ سے پہلے دہلی پہنچوں۔ پٹنہ ٹیلیفون کیا کہ ہوائی جہاز میں اگر سیٹ مل جائے تو وقت پر دہلی پہنچ جاؤں۔ ۵ر کو سیٹ ملی۔ میں نے دلی خبر کر دی کہ انشاء اللہ ۵ر مارچ کی دوپہر تک دہلی پہنچتا ہوں۔ ۴ر کا دن گزار کر شب کو ۹ بجے مونگیر سے چلا۔ جامعہ رحمانی کے مدرسین و طلباء، اہالیان خانقاہ اور شہر کے بہت سے احباب مجھے رخصت کرنے جمالپور تک آئے میری چھوٹی بچی "صغریٰ رحمانی" بھی جمالپور تک آئی تھی۔ جب گاڑی چلنے والی ہوئی تو ضبط نہ کر سکی اور رونے لگی۔ لوگوں نے سمجھایا۔ بہت تسلی دی لیکن مجھ پر بھی اور مجمع پر بھی اس کے رونے کا خاص اثر پڑا۔ ہم لوگ پٹنہ پہنچے۔ بہت سے احباب رخصت کرنے پٹنہ تک آگئے تھے۔ ہوائی جہاز کی روانگی کا وقت صبح نو بجے تھا۔ ہم لوگ ساڑھے آٹھ بجے پٹنہ کے ہوائی اڈہ پر پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر

کے بعد معلوم ہوا، کہ جس جہاز سے جانا ہے، وہ کلکتہ سے آرہا ہے۔ اور اس وقت کلکتہ کا موسم اور فضا بہتر نہیں ہے۔ اس لئے ابتک کلکتہ سے جہاز پرواز نہیں کرسکا ہے۔ جس جہاز کو نو بجے پٹنہ سے اڑنا چاہئے تھا وہ پونے گیارہ بجے پٹنہ پہنچا۔ اور گیارہ بجکر دس منٹ پر اس نے پرواز کی۔ ہوائی اڈہ پر مجھے رخصت کرنے کے لئے اچھی خاصی جماعت موجود تھی۔ امارت شرعیہ کے کارکن، جامعہ رحمانی مونگیر کے مدرسین اور دوسرے احباب یہ سب موجود تھے میرے لئے زندگی میں یہ پہلی پرواز تھی۔ بہت کچھ لوگوں سے سن رکھا تھا، کہ چکر آتا ہے، متلی ہوتی ہے، نیچے جھانکنے سے خوف معلوم ہوتا ہے، ان معلومات کے پیش نظر جیسے ہی جہاز زمین سے بلند ہوا، میں نے تسبیح ہاتھ میں لی۔ اور آنکھیں بند کرلیں۔ پھر مجھے خبر نہیں۔ جب جہاز بنارس میں اترا، تو مجھے احساس ہوا۔ اور میں نے آنکھیں کھولیں۔ یہ وقت کھانے کا تھا، سبھی لوگ اترے ہوائی اڈہ پر گئے اور کھانے پینے میں مشغول ہوئے، مجھے بھوک نہ تھی۔ میں ایک طرف بیٹھا رہا۔ تقریباً سوا گھنٹہ کے بعد ہم لوگ بنارس سے چلے۔ اور میں نے ہر طرف دیکھنا شروع کیا، نہ چکر ہے، نہ متلی، نہ کوئی خوف، میرے خیال میں تو ہوائی جہاز کا سفر بڑا ستھرا سفر ہے۔ نہ گرد، نہ غبار، نہ دھواں، نہ حرکت، اطمینان سے بیٹھے بیٹھے پڑھئے لکھئے، نیچے جھانکئے تو نہایت خوشنما منظر سامنے، سرسبز و شاداب کھیتوں اور باغوں کے مربع اور تکونے اور مستطیل ٹکڑے بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ دریا اور ندیاں جیسے پتلی پتلی پانی کی کیاریاں دونوں طرف کنارے بندھے ہوئے، گھنٹہ بھر میں ہم لوگ کانپور پہنچے، وہاں میں نے اتر کر ظہر کی نماز پڑھی۔ جہاز وہاں بھی گھنٹہ بھر ٹھہرا۔ پھر کانپور سے پرواز کی تو دلی میں پالم کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ وہاں مولانا محمد عارف

ناظم جامعہ رحمانی مونگیر، مولانا انیس الحسن، مولانا حکیم محمد الیاس وغیرہ دن کے بارہ بجے سے منتظر بیٹھے تھے۔ لیکن جس جہاز کو دلی ساڑھے بارہ بجے پہنچنا تھا وہ شام کو چار بجکر چالیس منٹ پر پہنچا۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر ریاض العزلحق ثقافی ٹکٹ وغیرہ لے کر اور اسی روز رات کو جانے والے ہوائی جہاز میں جگہ مخصوص کرلئے تیار بیٹھے تھے۔ اور سفارتخانہ مصر کے سکریٹری مسٹر لیسین کو ہوائی اڈہ پر بھیج دیا تھا۔ کہ میں جیسے ہی دلی پہنچوں مجھے لے کر پاسپورٹ آفس آیا جائے۔ اور پاسپورٹ کی تکمیل کے بعد آج ہی شب کو قاہرہ روانہ کر دیا جائے۔ لیکن آج کی روانگی خدا کو منظور نہ تھی۔ دن کے بارہ بجے کے بجائے شام کو پونے پانچ بجے دلی پہونچنا ہوا۔ تمام دفاتر بند ہو چکے تھے۔ اس لئے پاسپورٹ وغیرہ کے مراحل ۶ مارچ کو طے پائے۔ آج ڈاکٹر ریاض العز نے سبھی ہوائی کمپنیوں کے دروازے کھٹکھٹائے۔ لیکن کوئی براہ راست قاہرہ جانے والا ہوائی جہاز نہ ملا۔ ایر انڈیا نے جواب دیا کہ آج ہمارا جہاز بیروت تک جارہا ہے بیروت سے قاہرہ کے لئے عرب ایرلائنز کا جہاز لینا ہوگا۔ اب وہ کتنی دیر بعد ملے یہ نہیں کہہ سکتا لیکن ڈاکٹر ریاض العز نے اسے منظور نہ کیا اور یہ کہکر رد کر دیا کہ ہمارے مہمان کو تکلیف ہوگی۔ نہ معلوم بیروت میں کتنے گھنٹوں تک انتظار کرنا پڑے۔ اور پھر وہاں سے کب جہاز ملے۔ مجھے بھی ناتجربہ کاری کے باعث اس وقت احساس نہیں ہوا۔ ورنہ اگر ایر انڈیا کے جہاز سے جاتا تو بیروت میں چوبیس گھنٹے تک کمپنی ہی کے خرچ پر قیام بھی ہو سکتا تھا اور بیروت کی سیر بھی۔ بہر حال خدا کو یہی منظور تھا۔ کہ دنیا کی سب سے بڑی اور بہتر ہوائی کمپنی کے ذریعہ سفر کیا جائے۔ دوسرے روز بی۔ او۔ اے سی (B.O.A.C) کی اڑان دہلی سے کراچی ہوتے ہوئے براہ راست قاہرہ تھی۔

ہوائی جہاز کی روانگی کا وقت شب کو ڈیڑھ بجے تھا۔ ہم لوگ بارہ بجے پالم کے ہوائی اڈہ پر پہنچ گئے۔ مولانا عارف، مسٹر محمد طارق، ولی سلمہ، میاں محمد شعیب و فیاض سلمہا کے علاوہ اور بھی چند حضرات پالم آئے۔ ڈاکٹر ریاض العز بھی آئے اور انہوں نے کتابوں کا ایک بنڈل دکتورہ عائشہ بنت الشاطی کے لئے میرے حوالہ کیا۔ سامنے ہی ریزرو بینک آف انڈیا کی ایک شاخ کھلی ہوئی تھی۔ وہاں جاکر پورے بیالیس روپے داخل کئے اور اس نے تین اسٹرلنگ پاؤنڈ یعنی انگلینڈ کے ایک ایک پاؤنڈ والے تین نوٹ میرے حوالہ کئے۔ کہ ایک عام مسافر اسی قدر اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ عجلت کے باعث مزید زرمبادلہ کا نظم نہ ہو سکا۔ ہوائی جہاز کچھ لیٹ تھا۔ ٹھیک ڈھائی بجے پالم میں اترا۔ ہوائی اڈہ پر چہل پہل شروع ہو گئی۔ سامان لانے اور لے جانے والی چھوٹی اور بڑی گاڑیاں دوڑنے لگیں۔ دہلی اترنے والے مسافر ایک راستہ سے آئے۔ اور آگے جانے والے دوسرے راستہ سے ہوائی اڈہ کے کلب میں جاکر بیٹھے۔ اور یہ معلوم ہوا کہ مجھے اسی سے جانا ہے۔ پاسپورٹ کا اندراج اور کسٹم کا مرحلہ یہ دو بجے شب سے پہلے ہی ختم ہو چکا تھا۔ دہلی اترنے والے اتر گئے۔ شب کے تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے کہ وِسل ہوئی جو جہاز کے پرواز کی علامت ہے۔ میں نے پہنچانے والوں کو خیرباد کہا۔ ڈاکٹر ریاض العز اجازت حاصل کر چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہوائی جہاز کی سیڑھیوں تک پہنچایا۔ بی۔ او۔ اے۔ سی کا کنسٹاٹ نامی یہ جہاز خاصہ بڑا، جہاز کی ظاہری ہیبت اور اندرونی حصہ کا جمال دونوں بس اللہ کی قدرت کا نمونہ تھیں کل نشستیں ڈیڑھ سو تھیں جن میں بیس فرسٹ کلاس کی اور بقیہ ٹورسٹ کی تھیں۔ یہ جہاز اپنی پرواز لندن سے شروع کرتا ہے۔ وہاں سے

امریکہ، جاپان، اور پھر سنگاپور وغیرہ ہوتا ہوا، دہلی، کراچی، قاہرہ، رک کر لندن پہنچتا ہے۔ اس طرح یہ جہاز گویا دنیا کا ایک چکر کاٹتا ہے۔ ہندوستان کے اندر یا مشرق وسطیٰ میں پرواز کرنے والے جہازوں میں فرسٹ کلاس نہیں ہوتے۔ یہ شاید انہیں جہازوں میں ہوتا ہے جن کی پرواز بین الاقوامی ہے۔ شب کو تین بجے ہمارے جہاز کنساٹ نے پرواز کی۔ اور ٹھیک ساڑھے چار بجے کراچی اترا۔ فرسٹ کلاس میں میں تنہا ہندوستانی تھا۔ بقیہ سارے کے سارے امریکن یا یورپین تھے۔ کچھ کراچی اترے۔ اور کچھ کراچی کے ہوائی اڈہ سے چائے پی کر چلے آئے۔ کراچی میں کنساٹ پینتالیس منٹ ٹھہرا۔ اور وہاں سے اڑا تو سیدھا قاہرہ پہنچا۔ کراچی کے بعد لوگ سو گئے۔ میری آنکھ بھی لگ گئی۔ جب صبح صادق ہوئی تو آنکھ کھلی، اٹھا غسل خانہ گیا اور وضو کیا اور غسل خانہ کے پاس ہی تھوڑی سی کشادہ جگہ تھی، وہیں مصلیٰ بچھا کر صبح کی نماز ادا کی۔ جیب میں گھڑی اور اس میں قطب نما لگا ہوا تھا۔ یہ خیال نہ رہا کہ میں ہندوستان سے باہر ہوں قطب نما کے ذریعہ قبلہ راست کیا اور قبلہ کو جہت مغرب میں سمجھکر صبح کی نماز پڑھی، یہ نماز شاید اس جہاز والوں کے لئے ایک نئی بات تھی۔ جہاز کے کارکن کچھ فاصلہ سے مجھے بغور دیکھتے رہے۔ یا یوں کہئے کہ جھانکتے رہے۔ مسافر تو بالعموم سوئے ہوئے تھے۔ شاید کوئی جاگ بھی رہا ہو۔ میں نے نماز ختم کی۔ مصلیٰ سے ہٹ کر جوتے پہنے اور جھک کر چاہا کہ مصلیٰ اٹھاؤں کہ جہاز کے ایک کارکن نے مصلیٰ اٹھایا، جھاڑا، اور پرانی شکنوں پر تہہ کیا اور میرے تھیلے میں لاکر رکھا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ ان لوگوں نے جہاز پر نماز پڑھتے ہوئے ایک مسلمان کو شاید پہلی مرتبہ دیکھا۔ ابتدا اگر کچھ تعجب بھی ہوا ہوگا لیکن اس نمازی نے نماز پڑھنے والے

کی عزت ان لوگوں کی نگاہوں میں کچھ زیادہ کی، کم نہیں۔

بی۔ او۔ اے۔ سی کا یہ جیٹ جہاز چھ۔ سات سو میل کی رفتار سے پرواز کر رہا تھا۔ اور پینتالیس ہزار، اڑتالیس ہزار فیٹ کی بلندی پر جا رہا تھا جب میں نماز پڑھ کر اپنی جگہ پر آکر بیٹھا تو مطلع صاف ہوتا جا رہا تھا۔ اور آفتاب نکلنے والا تھا۔ اس وقت لاؤڈ اسپیکر پر اعلان کیا گیا کہ صبح ہو چکی، اب مسافر بیدار ہو جائیں چائے پئیں اور زمین کے قابل ذکر مقامات کا اوپر سے مشاہدہ کریں۔ لوگ بیدار ہوئے گرم پانی میں کھولایا اور نچوڑا ہوا تولیہ ہر ایک کے حوالہ کیا گیا۔ مسافروں نے اس گرم تولیہ سے اپنی آنکھیں اور اپنے منھ پونچھے۔ پھر مصنوعی ٹیبل سامنے لگے۔ اور ہر ایک کے سامنے ناشتہ چنا گیا۔ توس، مکھن، جیلی، دودھ میں تیار کیا ہوا جو کا دلیہ، اچھے قسم کے دو بسکٹ، چائے یا کافی جو آپ پسند کریں۔ بس اس وقت خدا ہی یاد آیا۔ کہ زمین سے بالکل ہی بے تعلق اڑتالیس ہزار فیٹ کی بلندی اور سات سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہوائی جہاز جا رہا ہے اور یہاں بھی ایسی نعمتیں حق تعالیٰ نے عنایت فرمائیں۔ چائے ختم ہوئی تو ہم لوگ نہر سویز کے قریب پہنچ چکے تھے۔ جہاز کافی نیچے لایا گیا۔ اور لاؤڈ اسپیکر پر نہر سویز کی تاریخی اہمیت اور موجودہ بحری دنیا میں اس کی صحیح حیثیت پر ایک مختصر تبصرہ ہوا خصوصیت کے ساتھ اس کینال کو سمجھایا گیا جس کے ذریعہ نہر سویز کو سمندر سے ملایا گیا ہے۔ پھر اعلان ہوا کہ اب ہم لوگ نہر سویز سے اتنی اونچائی پر ہیں کہ اگر کوئی صاحب فوٹو لینا چاہتے ہوں تو لے سکتے ہیں۔ یہ امریکہ اور یورپ کے رہنے والے اپنی اپنی نشستوں سے اٹھے اور ہوائی جہاز کی بند کھڑکیوں سے جن میں دوہرے شیشے لگے ہوئے تھے، نہر سویز اور کینال کے فوٹو لیے۔ پھر جہاز اپنی سابقہ بلندی پر آگیا۔ اور

تھوڑی ہی دیر کے بعد اعلان ہوا کہ ہم لوگ پندرہ منٹ میں قاہرہ پہنچنے والے ہیں، اور اب قاہرہ کا ہوائی اڈہ سامنے آرہا ہے۔

دہلی سے ہم لوگوں نے ہندوستانی وقت کے مطابق تین بجے شب میں پرواز کی تھی۔ اور پینتالیس منٹ کراچی ٹھہرتے ہوئے جب قاہرہ پہنچے تو میری گھڑی میں نو بجے تھے۔ یعنی اگر کراچی کے قیام کو نکال دیا جائے تو ہم لوگوں نے چھتیس سو میل کا سفر سوا پانچ گھنٹوں میں طے کیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ تھوڑی دیر سو بھی لئے، نماز بھی پڑھی، چائے بھی پی، اور دنیا کی پستی کا ہوائی جہاز کی بلندی سے نظارہ بھی کیا۔

قاہرہ کا ہوائی اڈہ بھی دنیا کے ممتاز اور خوبصورت ہوائی اڈوں میں ہے۔ بہت وسیع اور ہر قسم کے سامان سے لیس۔ ہوائی جہاز سے متصل بس آکر لگی۔ بس بھی نہایت خوبصورت، آرام دہ، اور ایرکنڈیشنڈ۔ اسی بس سے ہم لوگ ہوائی اڈے کے چھت دار حصے تک آئے۔ عربی میں ہوائی اڈہ کے کھلے ہوئے حصہ کو "مطار" اور چھت دار حصہ کو جس میں مسافروں کے بیٹھنے کا نظم اور دفاتر ہوتے ہیں "میناء" کہتے ہیں۔ یعنی ہم مطار سے میناء تک بس سے آئے۔ استقبال کے لئے ایک فاضل ازہر اور تین دوسرے، حکومت کے کارکن موجود تھے۔ آدھ گھنٹے میں پاسپورٹ کا اندراج اور کسٹم وغیرہ کے مراحل طے ہوئے اور یہ سب استقبال کرنے والی جماعت ہی نے انجام دلوائے۔ پھر ہوائی اڈہ سے باہر آئے اور کار سے قیام گاہ کی طرف چلے پہلے قاہرہ جدید سامنے آیا۔ سبحان اللہ! اس شہر کے جمال و جلال کا کیا کہنا، ہر مکان مغربی طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ، سڑکیں کافی وسیع، ایک طرف آنے کے لیے، دوسری طرف جانے کے لئے، درمیان میں میانہ قد سبز درخت، کہیں مختلف قسم

کے پھولوں کی کیاریاں، تھوڑی دور پر چھوٹے بڑے خوشنما پارک، پھر قاہرہ قدیمہ سے گذر ہوا، یہ بھی اچھا شہر ہے، کلکتہ، بمبئی سے کافی آگے، ہمیں لاکر ایک ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ جس کا نام "فُندُق اطلس" (Atlas Hotel) ہے۔

قیام حکومت مصر نے موتمر میں شریک ہونے والے مہمانوں کے ٹھہرنے کا نظم دو ہوٹلوں میں کیا تھا۔ دونوں مصر میں اوسط درجہ کے ہوٹلوں میں ہیں۔ ایک فندق کونٹیننٹل، دوسرا فندق اطلس، دونوں ہوٹل قریب ہی واقع ہیں۔ فندق اطلس، شارع بنک الجمہوریہ (بینک روڈ) پر ہے جو قاہرہ کا ایک مرکزی مقام ہے۔ یہ بارہ منزلہ ہوٹل فن تعمیر کا بھی اچھا نمونہ ہے۔ مسافروں کے قیام کے لئے ایک سو چوالیس کمرے ہیں۔ پہلے مجھے دوسری منزل میں کمرہ ۲۰۲ میں جگہ ملی۔ پھر اسی دن میں پانچویں منزل پر کمرہ ۵۰۴ میں منتقل ہو گیا کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب کمرہ ۵۰۵ میں تھے۔ پہلے ہم لوگوں کو غلط فہمی رہی کہ اس کی ہر منزل میں سو کمرے ہیں۔ اور اس طرح پورے ہوٹل میں گیارہ بارہ سو کمرے ہیں۔ لیکن جلد ہی معلوم ہوا کہ ہر منزل کے کمرہ کا نمبر سو کے عدد سے شروع کیا گیا ہے۔ ورنہ ایک منزل میں کمرے صرف بارہ ہی ہیں۔ لیکن ہوٹل صاف ستھرا اوپر کی منزلوں میں جانے آنے کے لئے لفٹ لگے ہوئے ہیں۔ وہ بھی آٹومیٹک، ہر کمرہ ضروری سامان سے مرصع اور مغربی طرز کی متوسط رہائش کا اچھا نمونہ، ہر کمرہ میں ٹیلیفون، ریڈیو، ٹھنڈی ہوا حاصل کرنے کے لئے کولر، منہ دھونے کے لئے بیسن، پانی ٹھنڈا اور گرم دونوں ہر وقت موجود، بچھانے اور اوڑھنے کا سامان بھی صاف ستھرا، نہانے اور منہ ہاتھ پونچھنے کے لئے الگ الگ صاف تولئے، اور صابون، اور پھر ہر روز اس کا بدلا جانا۔ غسل خانہ بھی بالکل مغربی طرز کا۔ جو ہم

جیسے مشرقی لوگوں کے لئے خاصہ تکلیف دہ۔ نہانے کے لئے چینی کا بڑا اور عمدہ ٹب۔ شاور اور نل دونوں لگے ہوئے۔ جس میں ہمہ وقت گرم اور ٹھنڈے پانی کا نظم۔ منہ دھونے کے بیسن کا بھی یہی حال، رفع حاجت کے لئے کموڈ، اور استنجار کے لئے وہی مغربی طرز کی ایک چیز جسے مصری "فواره" کہتے ہیں۔ اس پر بیٹھ جائیے۔ کل کھول دیجئے نیچے سے اوپر کو فوارہ چلے گا، بس طہارۃ ہوگئی۔ وہاں بھی صابون اور تولیہ ہر وقت موجود، بس کموڈ اور استنجار کی دقّت ہر وقت سامنے رہتی تھی۔ اطلس میں لوٹے اور جائے نماز کے سوا ہر چیز موجود ہے۔ الحمد للہ! میں اپنے ساتھ لوٹا اور جائے نماز لیتا آیا تھا۔ اسلئے آرام بھی رہا۔ اور نا پاکی کے شبہ سے بھی محفوظ رہا۔ لوٹے سے صرف مجھ ہی کو نہیں دوسرے رفقار کو بھی راحت ملی۔ بعض دفعہ تو ڈھونڈھنا پڑتا کہ لوٹا کس کمرہ میں ہے۔ جاپانی نمائندہ ڈاکٹر عبدالکریم (نومسلم) کو لوٹے کا استعمال بہت پسند آیا۔ ایک دن ہم لوگ بازار گئے کہ ان کے لئے ایک لوٹا لیا جائے۔ متعدد دوکانوں میں گئے " ابریق (لوٹا) کو دریافت کیا، مگ ہے، جگ ہے، ...... مگر لوٹا نہیں، ایک دوکاندار ذرا منچلا تھا۔ اس سے ابریق کو دریافت کیا گیا، اس نے جواب دیا۔ "الابریق فی اللغۃ لا فی السوق" کہ لوٹا صرف لغت کی کتابوں میں ملے گا۔ بازار میں نہیں، تجربہ بھی ایسا ہی ہوا۔ مکانوں میں مختلف اداروں میں، عوامی جگہوں پہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کا نظم ہے۔ رفع حاجت کے لئے کموڈ ہیں۔ اور استنجا و طہارت کے لئے کہیں فوارہ ہے کہیں نل میں ربڑ کی نلکیاں لگی ہوئی ہیں، اور مگ اور جگ بھی ہے، لیکن مشرق کا امتیازی نشان لوٹا مصر میں کہیں نہ ملا۔

فندق اطلس میں تقریباً پچاس نمائندے ٹھہرائے گئے۔ پاکستان کا وفد جو

مولانا یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود۔ ایم۔ پی، مولانا غلام غوث ہزاروی پر مشتمل ہے اسی ہوٹل کی گیارہویں منزل پر ٹھہرا ہوا ہے۔ جاپان کے ڈاکٹر عبدالکریم، روس کے مفتی ضیاء الدین باباخانوف اور مسٹر شمس الدین، یوگوسلاویہ کے حسین جوزو، ہالینڈ سیلون، افریقہ وغیرہ کے نمائندے اسی ہوٹل میں ہیں۔ اور کچھ نمائندے فندق کونٹیننٹل میں ٹھہرائے گئے ہیں۔ اور بعض حضرات اپنے اپنے سفارتخانوں میں ٹھہرے ہیں۔

آمد و رفت کے لئے ایرکنڈیشنڈ بسیں اور کاریں ہمہ وقت موجود رہتی ہیں۔ میں اطلس پہنچا تو سب سے پہلے وضو کیا اور صبح کی نماز دہرائی۔ ایک تو اس لئے کہ میں نے ہوائی جہاز پر مغرب کی طرف نماز پڑھی تھی اور مصر میں قبلہ مشرق میں ہے۔ گرچہ اگر تحری میں غلطی ہوجائے تو شرعاً نماز کا اعادہ نہیں ہے۔ لیکن اس وقت دل نے یہی گواہی دی کہ احتیاط نماز لوٹانے میں ہے۔ اور اس لئے بھی کہ علماء کی ایک جماعت ہوائی جہاز پر نماز کی صحت ہی کی قائل نہیں ہے اس کے نزدیک ہوائی جہاز پر نماز ہوتی ہی نہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک تھا۔ بہرحال میں نے نماز دہرائی۔ اور چند رکعتیں نفل کی پڑھیں۔ ناشتہ کے لئے اصرار کیا گیا۔ لیکن میں صبح جہاز پر ناشتہ کرچکا تھا۔ اس لئے چائے پی۔ اتنے میں ٹیلیفون آیا کہ وقت ہوچکا ہے۔ نمائندے گاڑیوں میں انتظار کر رہے ہیں۔ نیچے اترا۔ بس میں بیٹھا۔ اور آدھ گھنٹہ میں ہم لوگ مبنی محافظۃ القاھرہ کرونیش النیل، پہنچے۔ یہ پندرہ منزلہ عمارت مغربی طرز تعمیر کا اچھا نمونہ ہے۔ جب مصر میں جمہوریت کا قیام عمل میں آیا تو اس کی یادگار میں یہ عمارت بنائی گئی۔ "محافظۃ" عربی میں ضلع کو
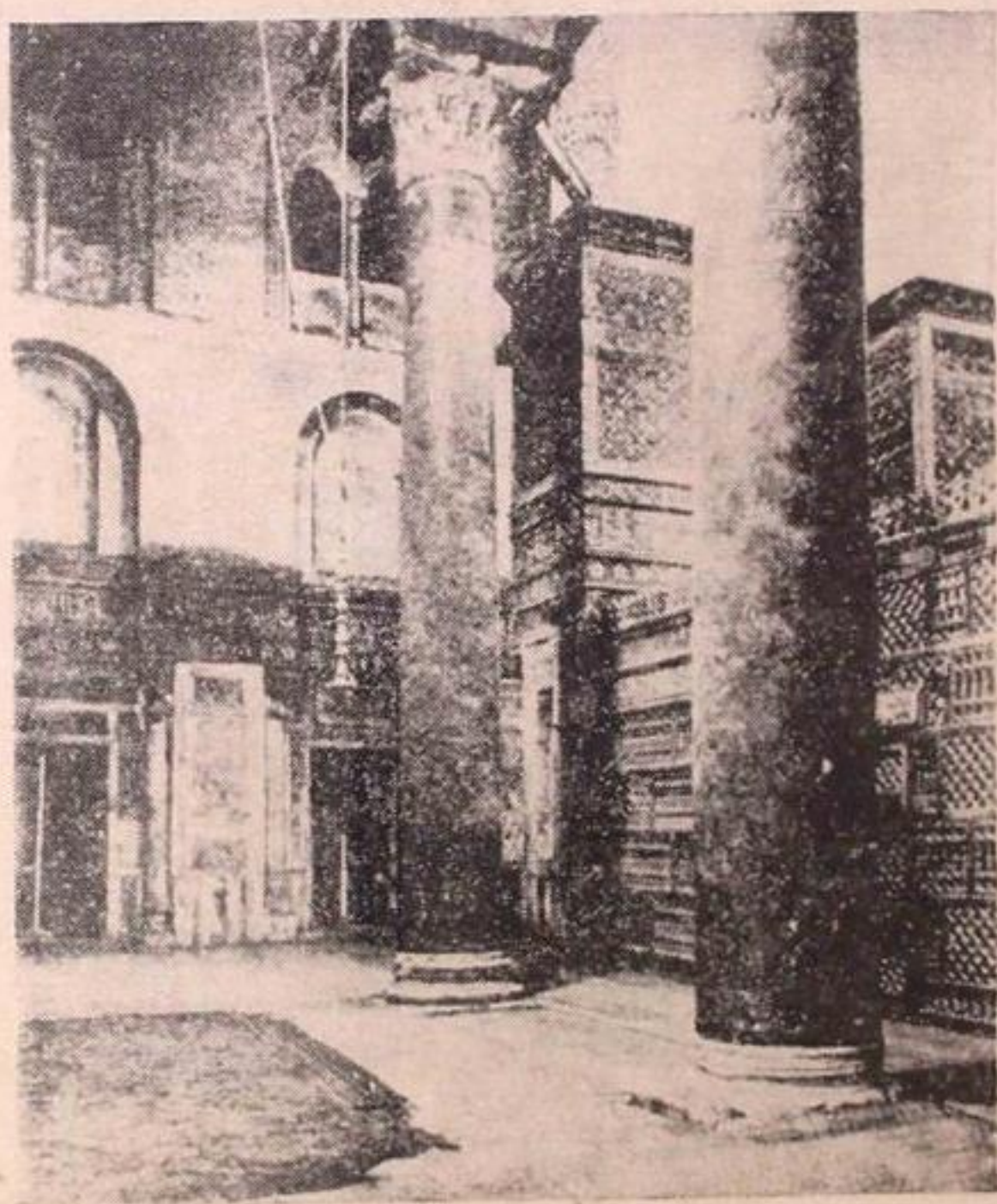
الملک المنصور قلاؤن کی تعمیر کردہ مسجد کا اندرونی منظر

(تعمیر۔ آٹھویں صدی ہجری)
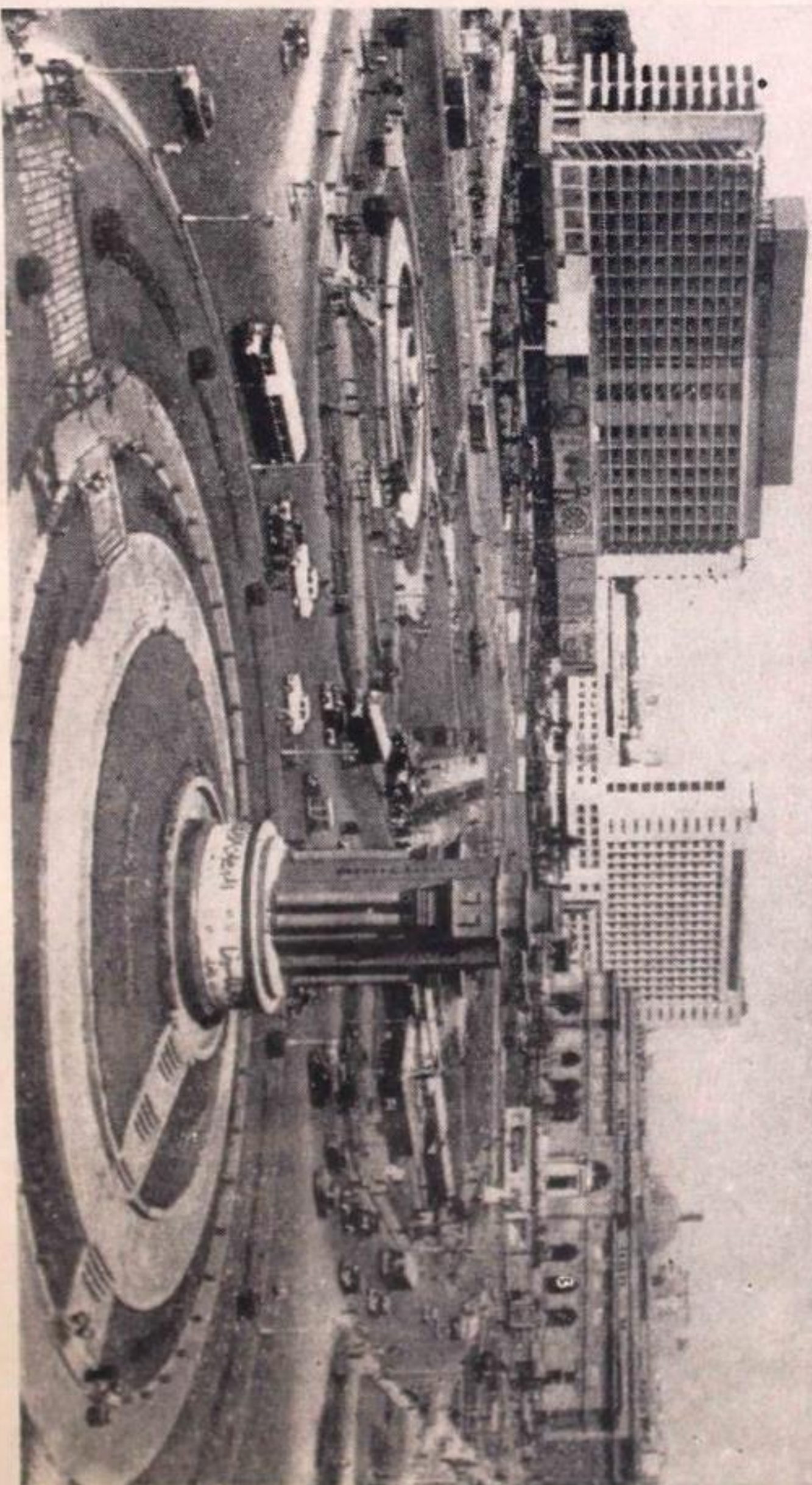
(۱) مصری عجائب خانہ
جس میں فراعنہ مصر کی لاشیں ہیں

(۲) ضلع قاہرہ کی ۱۳ منزلہ دفتری عمارت
جس کے کانفرنس ہال میں موتمر کے اجلاس ہوئے

(۳) ھیلٹون (ہوٹل)
نیل کے ساحل پر مصر کا سب سے بڑا ہوٹل ہیلٹون

کہتے ہیں۔ ملک مصر مختلف اضلاع پر تقسیم ہے۔ ایک ضلع 'قاہرہ' بھی ہے۔ یہ اسی کی عمارت ہے۔ اور ضلع قاہرہ کے دفاتر اسی میں ہیں۔ موتمر عالم اسلامی کے اجلاس اسی عمارت کے "قاعة المؤتمرات"[1] میں ہو رہے ہیں یہ ہال تقریباً اسی انداز کا ہے، جس طرح کے ہال ہندوستان میں کونسلوں کے ہیں۔ پریس کے نمائندوں کے لئے بھی ہال میں گیلری ہے۔ اور تماشائیوں کے لئے بھی۔ کونسل ہال سے جو چیز قاعة المؤتمرات کو ممتاز کرتی ہے وہ سننے، سنانے، اور ترجمہ، کا نظم ہے۔ اس ہال میں بائیں طرف لکڑی کے تین کیبن بنے ہوئے ہیں۔ اور سامنے قد آدم شیشہ لگا ہوا ہے۔ ایک پر عربی، دوسرے پر انگلش، اور تیسرے پر فرنچ لکھا ہوا۔ ہر کیبن پر ترجمہ کرنے والے اور دو الیان بیٹھی ہیں اور عربی انگریزی اور فرانسیسی تین زبانوں میں ہاتھ کے ہاتھ ترجمہ ہوتا جا رہا ہے۔ کیبن کے سامنے ایک مشین رکھی ہے وہ آپریٹر بیٹھے ہیں۔ اسی کے ذریعہ مقرر کی تقریر اور اس کے ترجمہ کو ہال میں پہنچایا اور صحیح طور پر نشر کیا جاتا ہے۔ کہ مختلف آوازوں میں ٹکراؤ نہ پیدا ہو۔ ہال میں ہر سیٹ پر پلاسٹک کا مائکروفون رکھا ہوا ہے۔ اگر تقریر کرنی ہو تو صدر کے قریب جا کر لاؤڈ اسپیکر پر کی جائے۔ اور اگر کوئی مختصر سی بات کہنی ہو اور بیٹھے بیٹھے بولنا ہو تو سیٹ پر رکھا ہوا مائکروفون استعمال کیا جائے۔ ہر کرسی کے سامنے بنچ کی دراز میں "سماع" (ہیڈ فون) رکھا ہوا ہے جسمیں دو کان بنے رہتے ہیں۔ اور جسے ٹیلیفون ایکسچینج والے استعمال کرتے ہیں۔ اور سامنے لوہے کی چوپہل ڈبیا بنی ہوئی ہے۔ جس میں ایک نوکیلی گھنڈی سی لگی ہے۔ اور اس کے اوپر تین نمبر دئے ہوئے ہیں پہلا نمبر عربی کا، دوسرا انگریزی کا اور تیسرا فرانسیسی کا۔

---

[1] میٹنگ ہال

اب اگر آپ تقریر اور ساری کارروائی عربی میں سننا چاہتے ہیں تو گھنڈی کی نوک نمبر ایک پر رکھیے، اگر کارروائی انگریزی میں سننا چاہتے ہوں تو نمبر دو پر، اور فرانسیسی میں تو نمبر تین پر۔ گرچہ عربی والے نمبر کے استعمال کی ضرورت اتفاقاً ہی پیش آتی تھی۔ کیوں کہ کارروائی تو پوری عربی میں ہوتی تھی۔ اور تقریر بھی زیادہ تر عربی ہی میں ہوئی۔ کچھ ہی لوگوں نے انگریزی اور فرانسیسی میں تقریریں کیں۔ اسلئے انگریزی اور فرنچ ترجمہ کے کیبنوں کو برابر مشغول رہنا پڑتا تھا۔ اور یقیناً ان کی صلاحیت اور محنت لائق تحسین ہے اس طرح ہاتھ کے ہاتھ ترجمہ کرنا نہایت مشکل کام ہے۔ مجھے تعجب تو ہوتا تھا۔ خاص کر اس لئے بھی کہ انگریزی اور فرنچ میں ترجمہ کرنے والی عورتیں تھیں۔ موتمر کا موضوع علمی اور دینی تھا۔ بالعموم تقریروں اور مقالوں میں علمی اور شرعی اصطلاحیں استعمال ہوتی تھیں۔ ان کا برجستہ ترجمہ تو اور بھی مشکل کام ہے۔ میں نے متعدد مرتبہ انگریزی ترجمہ سنا۔ یہ کہنا تو صحیح نہیں، کہ ہر لفظ کا ترجمہ ہوتا ہے۔ اور بولنے والے کا کوئی مفہوم چھوٹنے نہیں پاتا۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ اس ترجمہ سے اس قدر مفہوم ضرور سامنے آجاتا ہے، کہ اس کے ذریعہ بحث میں حصّہ لیا جاسکے۔ ہاتھ کے ہاتھ ایسا ترجمہ بھی لائق صد تحسین ہے۔

ہندوستان میں ابھی اس طرح ترجموں کا نظم عام نہیں۔ صرف وگیان بھون نئی دہلی میں بطور نمائش کے اس طرح کا نظم کیا گیا ہے۔

اس موتمر میں چالیس ملکوں کے بیاسی نمائندے شریک ہوئے۔ مصر و عرب اس کے علاوہ۔ ان کی تعداد بھی تیس ہوگی۔ اس طرح موتمر کے کل شرکاء کی تعداد ایک سو پندرہ کے قریب ہوگی۔ جن ممالک سے نمائندے آئے،

ان میں روس، انگلینڈ، ہنگری، فلپائن، سیلون، جاپان، ہالینڈ، یوگوسلاویہ، انڈونیشیا، افغانستان، پاکستان، افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے سب ہی ملک شامل ہیں۔ ہندوستان سے مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا سعید احمد اکبرآبادی ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور اس عاجز کو مدعو کیا گیا۔ اور ہم لوگوں نے شرکت کی۔ وہاں ایسا محسوس ہوا کہ دنیا کے ہر گوشہ سے نمائندے اس موتمر میں شریک ہوئے۔ صرف امریکہ، چین، اور مملکت سعودیہ عربیہ سے کوئی نمائندہ نہ آسکا۔ امریکہ کے متعلق تو نہیں کہہ سکتا کہ کیا وجہ ہوئی۔ چین کے متعلق بعض مصری دوستوں نے کہا کہ وہاں کے حالات ایسے ہیں، کہ کچھ اندازہ نہ کیا جاسکا کہ کس کو بلایا جائے۔ مملکت سعودیہ کے علمار کو دعوت بھی دی جاتی اور وہ شریک بھی ہوتے لیکن مصر اور حکومت سعودیہ کے تعلقات دونوں سے خراب تھے۔ دعوت نامے اوائل فروری یا اس سے کچھ پہلے جاری ہوئے اور دونوں کے تعلقات اوائل مارچ میں استوار اور خوشگوار ہوئے اسلئے مصر مملکت سعودیہ کے علماء کو دعوت نامہ نہ جاسکا۔ حجاز سے ہندوستان واپسی ہوتے ہوئے جدہ میں ایک جگہ رات کے کھانے کی دعوت تھی اس میں فضیلۃ الشیخ حسین سراج ڈپٹی ڈائرکٹر ورلڈ مسلم لیگ (جو حکومت سعودیہ کے وزیر بھی رہ چکے ہیں) بھی شریک تھے۔ میں نے ان سے کہا، کہ آپ حضرات موتمر میں شریک نہیں ہوئے ہ؟ فرمانے لگے کہ اگر آخر وقت میں بھی دعوت نامہ آتا تو ہم لوگ شریک ہوتے، لیکن مصر نے ضابطہ برتا۔

بہر حال کونے کونے سے مسلمان علمار، فضلار اور ان کے نمائندے آئے ہوئے ہیں۔ اور سب کے سب صبح و شام اسی "مبنی محافظۃ القاہرۃ" میں جمع

ہوتے ہیں۔ عجیب منظر ہے کالے، گورے، سرخ، سفید، سب ہی جمع ہیں۔ رنگ، نسل، زبان، لباس، سب مختلف، لیکن وحدت کلمہ نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔ اور اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کا زندہ ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ سب ساتھ بیٹھتے ہیں۔ ساتھ کھاتے پیتے ہیں، ایک ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں اور "کل مومن اخوۃ" اور "لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی" کے پیغام کی تصدیق کر رہے ہیں۔ ایک پر ایک صاحب فضل و کمال موجود ہے، یہ افریقہ کے شیخ الاسلام ہیں جن کے ہاتھ پر سترہ لاکھ عیسائیوں نے اسلام قبول کیا۔ یہ فلسطین اور لبنانِ شمالی کے مفتی اعظم ہیں، یہ سوڈان کے قاضی القضاۃ ہیں۔ یہ روس کے مفتی باباخانوف ہیں۔ یہ لیبیا کے محکمہ شرعیہ کے رئیس ہیں، یہ لندن کے مسلم ہال کے انچارج ہیں۔ یہ ٹیونس کے شیخ ہیں۔ یہ انڈونیشیا کے مذہبی امور کے ذمہ دار ہیں۔ یہ جاپان کے نومسلم ہیں، یہ ہالینڈ سے آئے ہوئے بھائی ہیں، شکل و صورت علیحدہ، زبان و لباس جدا، تمدن و معاشرت الگ، لیکن کلمہ سب کا ایک اور ایمان سب کا محمد رسول اللہ پر ہے۔

حنفی اور شافعی بھی ہیں۔ مالکی اور حنبلی بھی ہیں، غیر مقلد اور سلفی بھی ہیں۔ نمازیں چھ سات طرح پڑھی جا رہی ہیں مگر ایک جماعت اور ایک امام، امام کبھی حنفی ہے، کبھی شافعی اور کبھی مالکی، اور مقتدیوں میں ہر مسلک کے لوگ جمع ہیں۔ لیکن نہ کسی کو کوئی تردد ہے نہ تامل۔ اتنا تو ضرور تھا کہ کچھ لوگ اپنے ہم مسلک حضرات سے مل کر کچھ زیادہ مسرت محسوس کرتے تھے۔ ایک موقع پر مغرب کی نمازیں نے پڑھائی۔ ہالینڈ سے آئے ہوئے دو ڈاکٹر (پی۔ ایچ۔ ڈی) بھی پیچھے تھے۔ نماز سے فراغت کے بعد انہوں نے مجھ سے خاص طور پر ملاقات کی اور کچھ سوالات کیے،

میں نے بتلایا کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اور حنفی ہوں ۔ وہ کھڑے ہو کر مجھ سے گلے ملے اور کہنے لگے کہ ہم لوگ ہالینڈ کے رہنے والے ہیں وہاں مسلمانوں کی آبادی بیس ہزار ہے ۔ اور سب کے سب حنفی ہیں ۔ تو ہم مسلک لوگوں کے ساتھ ایک خصوصی تعلق تو ضرور محسوس ہوا، لیکن دوسرے مسلک والوں سے بیگانگی اور تنفر کا تو کہیں دور، دور نشان بھی نہیں ملتا ۔

مؤتمر کا اجلاس ۶ر مارچ ۱۹۶۴ء سے شروع ہوا، ۶ر مارچ جمعہ کا دن تھا ۔ پروگرام یہ بتایا گیا کہ باہر سے آئے ہوئے نمائندے اور مہمان ازہر کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھیں گے ۔ جامع مسجد میں مہمانوں کے لئے جگہ مخصوص کی گئی تھی ۔ اور اسے خاص طریقہ پر سجایا گیا تھا ۔ مسجد سے باہر مصری پولیس کا دستہ اپنی سیاہ وردیوں اور سنہرے چمکدار بٹنوں سے آراستہ کھڑا تھا ۔ جب مہمانوں کی سواریاں پہنچیں تو پولیس نے سلامی دی اور عزت و احترام سے خوش آمدید کہا یہ گویا حکومت کی جانب سے مہمانوں کا پہلا باضابطہ استقبال تھا ۔ تمام مہمان مسجد میں اُسی جگہ بٹھلائے گئے جو پہلے سے ان کے لئے خاص طور پر بنائی گئی تھی، وہاں کے دستور کے مطابق جمعہ کی اذان اول سے پہلے مصر کے مشہور قاری مصطفیٰ اسماعیل نے تلاوت قرآن مجید کی ۔ نماز سے فارغ ہو کر لوگ ہوٹلوں میں چلے آئے ۔ آج ہی شام کو بعد نماز مغرب مصر کے مشہور اور بڑے ہوٹل "فندق شبرہ" میں مہمانوں کو تعارفی پارٹی دی گئی ۔ عشاء تک چائے اور باہمی تعارف سے فارغ ہو کر وفود اپنی اپنی قیام گاہوں پر چلے آئے ۔

۷ر مارچ ۱۹۶۴ء کی صبح کو نو بجے تمام مہمانوں اور مندوبین کو قصر جمہوریہ

لے جایا گیا۔ یہ قصر پہلے شاہی محل تھا۔ اور اب السید الرئیس جمال عبدالناصر صدر متحدہ عرب جمہوریہ کا دفتر ہے۔ یہاں مندوبین کے ناموں کا اندراج ہوا۔ اس کارروائی کے بعد مہمانوں کو "مبنی محافظة القاهرة" پہونچایا گیا۔ اس عظیم عمارت کے نچلے ہال میں تمام مندوبین بٹھائے گئے۔ ہال میں دونوں طرف ریکارڈنگ مشین لگی ہوئی تھی کہ جو کچھ بھی کہا جائے وہ ضبط ہوتا چلا جائے۔ ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے ڈاکٹر السید حسین الشافعی، نائب صدر جمہوریہ تشریف لائے۔ جنہیں صدر جمہوریہ کی طرف سے موتمر کا افتتاح کرنا تھا۔ سب سے پہلے مصر کے ممتاز ترین قاری شیخ محمود حصری نے قرآن مجید کی تلاوت ایسے پُر درد لہجے میں کی کہ سبھوں کے دل بھر آئے۔ اور لوگوں پر گریہ طاری ہو گیا۔ پھر سید حسین الشافعی نے صدر جمہوریہ کیطرف سے عالم اسلامی سے آنے والے وفود اور مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ جامع ازہر کی مختصر تاریخ بیان کی کہ اس نے ماضی میں دین و علم کی خدمت کی ہے۔ اور مستقبل میں بھی توقع ہے کہ ازہر ایمان کو تقویت پہنچانے اور عمل کو ابھارنے کا ذریعہ بنے گا۔ اور تبلیغ اسلام کا فریضہ ادا کرے گا۔ اور بتلایا کہ اس موتمر عالم اسلامی کا انعقاد اور آپ کا یہ مبارک اجتماع ازہر کی ایک مجلس مجمع البحوث الاسلامیة کی فکر و سعی کا نتیجہ ہے۔ اور آخر میں یہ کہا کہ یہ سب کچھ السید الرئیس جمال عبدالناصر کی توجہ اور کوششوں سے ہوا ہے۔ نائب صدر جمہوریہ کے بعد ڈاکٹر بھی وزیر اوقاف و شئون الازہر نے تقریر کی۔ اور موتمر کے مقاصد پر روشنی ڈالی، پھر ڈاکٹر عبداللہ ماضی وکیل الازہر نے اجتماع کو خطاب کیا۔ (ازہر میں وکیل ایک اونچا منصب ہے جسے نائب شیخ الازہر

کے ہم معنی سمجھنا چاہئے، چنانچہ شیخ شلتوت جو شیخ ازہر تھے ان کے انتقال کے بعد سے ابتک ڈاکٹر عبد اللہ ماضی ہی شیخ ازہر کے فرائض انجام دیتے چلے آرہے ہیں[1]،

اس کے بعد تمام وفود اور مہمانوں کی طرف سے مغربی افریقہ کے شیخ الاسلام الحاج ابراہیم نیاس" نے داعیوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ "اسلام دین وحدت ہے اور یہی مذہب دنیاوی فلاح اور آخروی نجات کا ضامن ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ پھر سے اسی اسلام کی طرف لوٹیں جسے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا اور جس کا عملی نمونہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ہمارے سامنے رکھا"۔ آپ نے السید الرئیس جمال عبد الناصر کے شکریہ پر تقریر ختم کی۔ شیخ الاسلام کی تقریر کے بعد ڈاکٹر محمود حب اللہ جنرل سکریٹری (الامین العام) مجمع البحوث الاسلامیۃ نے تقریر کی۔ آپ نے وفود کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ "یہ دعوت من اللہ ہے جسے آپ نے لبیک کہا۔ آج دنیا نئے حالات سے دوچار ہے، سائنس نے زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ دنیا کے بدلے ہوئے حالات اور سائنس کے انقلابات نے نئے مسائل لا کھڑے کئے ہیں۔ انہیں مسائل کو حل کرنے کی خاطر آپ یہاں جمع ہوئے ہیں۔ اس وقت ساری دنیا کے مسلمانوں کی نگاہیں آپ پر لگی ہوئی ہیں، آپ کے فیصلوں کے وہ منتظر ہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں ہر قدم اپنی ذمہ داریوں کا پورا احساس کرتے ہوئے اٹھانا ہے"،

آخر میں شیخ محمود حصری نے دوبارہ تلاوت قرآن کی۔ اور جلسہ ختم ہوا۔

ابھی چند سال ہوئے جامع ازہر کے تحت ایک مجلس مجمع البحوث الاسلامیۃ

---

[1] اگست ۱۹۶۸ء میں مفتی حسنین محمد مخلوف کو شیخ ازہر مقرر کیا گیا۔ ۱۲۔

(اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ) کے نام سے قائم ہوئی ہے۔ جس کے ستائیس ارکان ہیں۔ اور یہ سب کے سب مصر یا آس پاس کے عربی ممالک کے علماء اور فضلا رہیں۔ اب تک اسمیں کسی غیر عربی عالم کا تقرر عمل میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر حب اللہ موصوف اس مجلس کے سکریٹری اور روح رواں ہیں۔ مجلس کے مقاصد حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ ان تمام نئے اور پرانے مسائل پر بحث کرنا جن کا تعلق اسلامی ثقافت سے ہے۔

۲۔ اسلامی ثقافت کے احیاء کی جدوجہد ایسے انداز میں کہ وہ بین الاقوامی طریقے پر قابل قبول ہوسکے۔

۳۔ اسلامی ثقافت کو نکھار کر اسکی اصلی شکل وصورت میں پیش کرنا۔

۴۔ اسلامی ثقافت کے تعارف کے لئے ممکن سہولتیں بہم پہنچانا۔

۵۔ اسلامی مسائل ومعاملات کی تحقیق سے متعلق ابتک جو کچھ شائع ہوچکا ہے اس کا تنقیدی جائزہ لینا، اور اس میں جتنا بھر حق ہے اس سے فائدہ اٹھانا اور جو ناحق ہے اس کی تصحیح کرنا۔

دراصل اس موتمر عالم اسلامی کا تخیل یہی مجلس سامنے لائی اور مجمع بحوث الاسلامیہ نے اپنی پہلی عالمی کانفرنس منعقد کی جو ۶ر مارچ ۱۹۶۴ء کو شروع ہوئی اور ۲۳ر مارچ ۱۹۶۴ء کو ختم ہوئی۔

ڈاکٹر محمود حب اللہ نے مجلس کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے مہمانوں کا استقبال کیا اور اپنی تقریر میں مجلس اور موتمر کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور شرکاء موتمر کو ان کی عظیم اور نازک ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کیا۔ یہ افتتاحی اجلاس

تو انہیں رسمی کارروائیوں پر ختم ہوا۔ اور موتمر کی اصل کارروائی ۷ مارچ ۱۹۶۴ء کی شام کو پانچ بجے سے مبنی محافظۃ القاہرہ کے قاعۃ المؤتمرات (میٹنگ ہال) میں شروع ہوئی۔ موتمر کے مستقل صدر ڈاکٹر عبداللہ ماضی تھے۔ سب سے پہلے فضیلۃ الشیخ علی عبد الرحمٰن السودانی نے اپنا قابل قدر مقالہ "عوامل انتشار الاسلام" پڑھا۔ شیخ موصوف سوڈان کے رہنے والے ہیں، جامع ازہر کے فاضل ہیں۔ ہر وقت ازہری لباس میں ملبوس یعنی ٹخنوں تک لمبا چوڑی آستینوں والا کرتا کافی ڈھیلا ڈھالا، سر پر نرم ترکی ٹوپی، اس پر سفید رومال لپٹا ہوا۔ علم ان کے قابل قدر مقالہ سے عیاں، اور دینداری بھی چہرے سے نمایاں، ملنسار اور متواضع، پہلے حکومت سوڈان کے وزیر داخلہ تھے، اور اب اپنے ملک کے قاضی القضاۃ ہیں۔ فاضل قاضی القضاۃ نے اپنے مقالہ میں اشاعت اسلام کے خارجی اور داخلی عوامل پر سیر حاصل بحث کی اور آخر میں بتلایا:-

عوامل ھذا الانتشار علی اساس ان العقیدۃ الاسلامیۃ تتمیز بالبساطۃ والخلاص عن التعقید کما ان التشریع الاسلامی یتسع لکل جدید ثم یدعو الی مکارم الاخلاق والتمسک بھا۔

اسلام کے پھیلنے کا اصل سبب یہ ہے کہ اسلامی عقیدہ سادگی اور بےتکلفی کا حامل ہے۔ اور پیچیدگی سے پاک ہے۔ اور شریعت اسلامیہ میں ہر قسم کے نئے حالات کیلئے گنجائش ہے۔ اور اسمیں اعلیٰ اخلاق کو اختیار کرنیکی دعوت موجود ہے۔

شیخ موصوف نے یہ بھی کہا کہ اس وقت مسلمانوں پر سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ دعوت اسلامی کا احیاء اور اس کی تجدید کریں۔ اور اس سلسلہ میں چند تجاویز بھی پیش کیں۔

دوسرا مقالہ ڈاکٹر سلیمان حزین" مدیر جامع اسیوط" نے اسی موضوع پر پڑھا، لیکن یہ مقالہ دوسرے زاویہ نگاہ سے لکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اشاعت اسلام کی طرف ان کوششوں کا تذکرہ کیا جو عربوں کے دور میں ہوئی ہیں۔ اور عرب کے جغرافیائی حالات اور ان کے اخلاق و مزاج سے تفصیلی بحث کرکے یہ بتلایا کہ اشاعت اسلام کا اصلی سبب عرب کی جغرافیائی پوزیشن اور ان کا مزاج و کردار ہے۔ اور آج بھی عرب ہی اسلام کو پھیلا سکتے ہیں۔ اس کام کی خاطر انہیں کھڑا ہونا چاہیے" آج کا اجلاس شب کو نو بجے ختم ہوا۔

۸ مارچ کو صبح دس بجے سے پھر مؤتمر کی کارروائی شروع ہوئی۔ بات یہ چلی کہ شب کو مقالات پڑھے جائیں اور دن کے حصہ میں اس پر مناقشہ اور مباحثہ ہو۔ چنانچہ آج شیخ علی عبدالرحمن سوڈانی اور ڈاکٹر سلیمان حزین کے مقالات "عوامل انتشار الاسلام" پر بحث ہوئی۔ اس بحث میں بہت سے ارکان مؤتمر نے حصہ لیا۔ اور اپنے اپنے نقطہ نگاہ سے ان رکاوٹوں اور مشکلات کو بتلایا جو موجودہ زمانہ میں اشاعت اسلام کی راہ میں پیش آرہی ہیں۔ ارکان کی بتلائی ہوئی مشکلات ذیل کے نمبروں میں سمیٹی جا سکتی ہیں:۔

۱۔ اجتہاد کے دروازے کا بند ہو جانا۔

۲۔ اشاعت اسلام کے لئے کسی مرکزی تنظیم کا نہ ہونا۔

۳۔ اسلام کی بعض تعلیمات مثلاً غلامی، طلاق، تعدد ازدواج وغیرہ کے بارے میں عیسائی مبلغین کا سخت اور گمراہ کن پروپیگنڈہ، اور عیسائیوں کا اپنے بے پناہ پروپیگنڈے کے ذریعہ اسلام کو بھیانک اور گھناؤنی شکل میں دنیا کے

سامنے پیش کرنا۔

۴۔ قادیانیوں کی بے پناہ لیکن گمراہ کن سرگرمیاں۔

۵۔ مبلغین اسلام کا دوسرے مذاہب سے ناواقف ہونا اور ارشاد نبوی ص کے مطابق دین کو آسان شکل میں پیش نہ کرنا۔

۶۔ پسماندہ ملکوں میں اسلامی شفاخانے، اسکول، یتیم خانے اور دوسرے رفاہ عام کے ادارے نہ کھولنا، اور انہیں تبلیغ کے ذرائع نہ بنانا۔

۷۔ نااہل اور غیر صالح لوگوں کا دوسرے ملکوں میں مبلغ بن کر جانا اور خود مسلمانوں کا اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کرنا۔

دوسرے روز شیخ علی عبدالرحمن نے اپنے مقالہ کے ان مسائل کی وضاحت کی جن پر نقد کیا گیا تھا۔ اور صدر جلسہ ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے شیخ سے درخواست کی کہ وہ اشاعت اسلام کا ایک خاکہ اور اس کا دستور مرتب کرکے پیش کریں جس پر "مجمع البحوث الاسلامیۃ" کی مجلس میں غور کیا جائے گا۔ جو مؤتمر کے اجلاس کے بعد منعقد ہو رہی ہے۔

۸ رمارچ ۱۹۶۴ء ہی کو شام کے اجلاس میں تیسرا مقالہ "الاجتہاد ماضیہ وحاضرہ" شیخ نور الحسن نے پڑھا۔ اس مقالہ میں فاضل شیخ نے اجتہاد کے معنی، اس کی شرطیں، اس کی ضرورت و اہمیت، مجتہد کی تعریف، اس کے صفات کو تفصیل سے بیان کیا اور اس بحث کو علماء و فقہاء کے اقوال سے مضبوط کیا۔ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین کے اجتہادوں کی مثالیں بطور نظیر پیش کیں۔ اور اس کے بعد اجتہاد کے اقسام کو بیان کیا۔

اور کہا کہ اجتہاد فی الفتوی اس دور میں ہو سکتا ہے، اور ہونا چاہیئے اور اس معنی میں اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اور یہی موجودہ مشکلات کا حل ہے۔ لیکن فاضل شیخ نے مقالہ کے آخر میں قاضی شوکانی کا قول نقل کر دیا جسمیں تقلید کو گمراہی کہا گیا ہے۔ اور مطلق اجتہاد کے جواز کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ مقالہ کے اس حصہ نے مجمع میں اچھا خاصہ ہیجان پیدا کر دیا۔

قاضی شوکانی کا قول نقل کرنے کے بعد فاضل مقالہ نگار نے اپنی رائے یہ دی کہ "الاجتہاد مفتوح الی قیام الساعة" اب مجمع میں ایک ذہنی انتشار پیدا ہوا کہ یا تو مقالہ نگار کے نزدیک اجتہاد مطلق کی شرطیں اس زمانہ میں نہیں پائی جا رہی تھیں۔ اس لئے وہ اجتہاد فی المذہب کی دعوت دے رہے تھے۔ اور ان کے نزدیک یہی مشکلات کا حل تھا۔ یا پھر قاضی شوکانیؒ کا قول نقل کر کے اجتہاد مطلق کے دروازہ کو قیامت تک کے لئے کھول رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نور الحسن اپنے مطالعہ اور تحقیق کی بنیاد پر ابھی کوئی آخری رائے قائم نہیں کر سکے ہیں۔ اور اسی لئے قابل قدر مقالہ انتشار خیال کی غمازی کرتا ہے۔ بہر حال وقت ختم ہو چکا تھا۔ اس لئے اس پر مناقشہ دوسرے دن کے لئے اٹھا رکھا گیا۔

ایک اور مقالہ اسی موضوع پر الشیخ الفاضل ابن عاشورہ نے پڑھا۔ یہ سب کے سب ازہر کے فاضل ہیں۔ اجتہاد سے متعلق ان دونوں مقالوں پر ایک ساتھ مناقشہ شروع ہوا۔ جس میں فضیلۃ الشیخ الاستاذ محمد ابو زہرہ، مفتی ضیاء الدین بابا خانوف، شیخ حسن مدثر سوڈانی، ڈاکٹر مصطفیٰ کمال تارزی (ٹیونس) شیخ ناجی ابو شعبان (قطاع غزہ) (وہ علاقہ جو مصر نے یہودیوں سے واپس لیا ہے)

وغیرہ نے حصہ لیا، ڈاکٹر عبد الجید محمود ازہر کے فاضل ہیں اور جرمنی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے اور اس وقت ازہر میں پروفیسر ہیں۔ انہوں نے بھی اس مناقشہ میں نمایاں حصہ لیا، موصوف کے بارے میں معلوم ہوا کہ چند سال پہلے تک ان پر بھی عام مصری شیوخ وعلماء کی طرح نجد اور مغربیت کا بڑا اغلبہ تھا۔ لیکن چند سال ہوئے، انہیں تصوف کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا، اور اہل دل کی صحبت میں آمد ورفت ہوئی تو اب ماشاء اللہ وضع ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ پر دین غالب آگیا ہے۔ ان شیوخ مصر میں جنہوں نے موتمر میں شرکت کی شیخ عبد الحمید محمود تنہا شخص ہیں جو "اعفاء اللحی" پر عامل ہیں۔ بہرحال فاضل موصوف نے بھی موضوع اجتہاد پر مناقشہ میں حصہ لیا اور کہا کہ :۔

ان الاجتہاد کشف ولیس اختراعاً واتباع ولیس ابتداعاً بمعنی ان الاساس فیہ ھو کشف ما کان علیہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم وما تعینہ النصوص الدینیۃ وارجاع الحوادث الجزئیۃ الجدیدۃ الی قاعدۃ من قواعد الدین الثابتۃ، وعلی ھذا فلا جدید ولا تجدید ولیس ھناک ما یمکن ان یسمی رأیاً شخصیاً فی الدین لا یستند الی

اجتہاد طے شدہ اصول کی روشنی میں جدید حالات ومسائل کے شرعی احکام کا انکشاف ہے۔ کسی نئے اصول کی اختراع نہیں، یہ سابق کی اتباع ہے، نئی ایجاد نہیں، یعنی اجتہاد کا بنیادی رکن دینی نصوص کی روشنی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کی تحقیق اور نئی پیش آمدہ جزئیات کا حکم دین کے ثابت شدہ اصول کی روشنی میں معلوم کرنا ہے اسلئے نہ یہاں کوئی غیر مستند نئی رائے ہے اور نہ کسی نئے اصول کی وضع اختراع،

دلیل من الکتاب و السنۃ اور اسی وجہ سے یہاں کسی ایسی شخصی رائے کی گنجائش نہیں ہے جسکی بنیاد کتاب و سنت نہ ہو۔

۹ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کی شام کی نشست میں فضیلۃ الشیخ الاستاذ ندیم الجسر مفتی فلسطین و شمالی لبنان نے ایک مقالہ "فلسفۃ الحریۃ فی الاسلام" کے عنوان سے پڑھا۔ جس میں انہوں نے دنیا کی موجودہ اخلاقی بے راہ روی، عورتوں کی حدود اخلاق و شرع سے بڑھی ہوئی آزادی پر اچھی گرفت کی۔ اور اسلام میں نسائیت کا مقام، عورتوں کے حقوق اور انسانی مساوات پر خاصی روشنی ڈالی۔ اور آخر میں اسلامی حریت کو بتلاتے ہوئے کہا کہ اسلام پوری آزادی کا اس حد تک حامی ہے، جبتک کہ وہ آزادی حق اور خیر سے نہ ٹکرائے۔ اور پھر اسی دن شیخ محسن فرج السنھوری نے ایک قابل قدر اور فاضلانہ مقالہ پڑھا جس کا عنوان "التلفیق بین المذاھب" تھا۔ مقالہ بتلا رہا تھا کہ فاضل موصوف کی نظر فقہ اور مختلف فقہی مذاہب پر اچھی اور وسیع ہے۔ شب کو ۹ بجے مؤتمر کا اجلاس برخواست ہوا، اور اعلان کیا گیا کہ کل مصر کی پارلیامنٹ کے لئے ممبروں کا انتخاب ہے، ووٹ ڈالے جائیں گے۔ اس لئے مؤتمر کا اجلاس نہ ہوگا۔ مندوبین کو کل "جولۃ حرۃ" کا موقع ہے یعنی کل وہ آزاد تفریح کر سکیں گے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو پولنگ کا منظر بھی دیکھا۔ مصر میں شخصی حکومت ختم ہونے کے بعد پارلیامنٹ کا یہ پہلا انتخاب تھا۔

ملک مصر کی پوری آبادی تقریباً ساڑھے تین کروڑ ہے جس کی نمائندگی کے لئے تین سو ستر ممبران کا پارلیامنٹ کے لئے چناؤ ہونے جا رہا تھا۔ امیدوار

اپنا پروپیگنڈہ کر رہے تھے۔ اخبارات کے ذریعہ بھی اور اشتہارات کے ذریعہ بھی، لیکن سلیقہ کے ساتھ نہ کسی پر کیچڑ اچھالی جا رہی ہے، اور نہ ووٹ حاصل کرنے کے لئے کسی کی ذات پر نامناسب حملے کیے جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ ۷، یا ۸ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو اعلان ہوا تھا کہ بیلٹ پیپر قلم سے نہ لکھا جائے بلکہ القلم الجف (لڈ پن سے بھرا جائے۔ چنانچہ ووٹ دینے والوں نے خریداری شروع کی اور ایک ہی روز میں قاہرہ القلم الجف سے خالی ہو گیا۔ اور کاروں کے ذریعہ اِدھر اُدھر سے منگا کر مانگ پوری کی گئی۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ پولنگ بوتھ پر مختلف امیدواروں کے نمائندے لاؤڈ اسپیکر لگائے پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ لیکن ایک ساتھ نہیں یکے بعد دیگرے۔ جب ایک بول چکتا ہے تو دوسرا بولتا ہے۔ اور بقیہ لوگ خاموش رہ جاتے ہیں۔ اپنی بات سناتے ہیں لیکن دیگر کی بات سننے کا بھی پورا موقع دیتے ہیں۔ بہرحال ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو مصر کی پہلی پارلیامنٹ کے لئے ممبروں کا انتخاب ہوا، اور ۱۲ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو انتخابات کے نتائج کا اخباروں میں اعلان بھی ہو گیا۔ اور ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۶۴ء کو یعنی ہماری قاہرہ سے روانگی سے پانچ دن پہلے پارلیامنٹ کا پہلا اجلاس بھی منعقد ہوا جس میں السید الرئیس جمال عبدالناصر صدر جمہوریہ نے اپنی ایک گھنٹہ کی تقریر میں مصر کے گذشتہ دس سال کی تاریخ بیان کی اور بتلایا کہ موجودہ حکومت کو کن حالات اور مشکلات سے گذرنا پڑا ہے۔ اور پھر مستقبل میں اس کے کیا عزائم ہیں، اور مصر میں جو سیاسی انقلاب آیا، اس کے کیا نتائج اور ثمرات پیدا ہوئے۔ اور اس سے کہاں تک مصر کے رہنے والوں کو فائدہ پہونچا۔ اس تقریر کے بعد صدر جمہوریہ نے مصر کا دستور پڑھ کر سنایا جو آج سے مصر پر نافذ ہوگا۔ جب

جمال عبد الناصر نے دستور کی پہلی دفعہ یہ پڑھی کہ "حکومت مصر کا مذہب اسلام ہوگا اور دوسری دفعہ یہ کہ "حکومت مصر کی زبان عربی ہوگی" تو پورا نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا اور پانچ سات منٹ تک تالیاں ہی بجتی رہیں۔ ان (دفعات) پر پارلیامنٹ کے ممبروں نے غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا۔ اور پارلیامنٹ کے ایک سن رسیدہ ممبر نے جاکر جمال عبد الناصر کا منہ چوم لیا۔ اس کے بعد دستور کی تمام دفعات سنائیں، جنہیں پارلیامنٹ نے منظور کیا۔ اور غالباً "منظور کرنے کے سوا، ان کے لئے کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ پھر ۲۸ مارچ ۱۹۶۴ء کو مصر کی نئی وزارت کا اعلان ہوا۔ جسمیں ارکان موتمر کے خصوصی میزبان جن سے ہمارا تعارف ہوچکا تھا۔ یعنی ڈاکٹر بہی وزیر اعلیٰ قاعدہ شئون الازہر دوبارہ وزارت میں نہ آسکے۔ اور انہیں لوٹ کر ازہر ہی اپنے پرانے منصب پر جانا پڑا۔

بہرحال ۱۰ مارچ کو ہم نے ضمنی طور پر مصر کی پارلیامنٹ کا انتخاب دیکھا اور ارکان کی پوری پارٹی کے ساتھ مصر عتیقہ کی سیر کو گئے۔ یہ مصر کا وہ شہر ہے جسے فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۴۳ھ نے بسایا تھا۔ سب سے پہلے آپ کی مسجد میں حاضری ہوئی۔ مسجد .. ..

سیدنا عمروؓ بن عاص رضؓ سیدنا عمروؓ بن عاص بن وائل بن سعید القرشی۔ مشہور صحابی۔ اسلام سے پہلے آپ کا شمار عرب کے مشہور رؤسا میں تھا۔ اسلام کی ابتدائی فتوحات میں قائدانہ حصہ لیا۔ مصر بھی آپ کی فتوحات میں داخل ہے۔ شہر فسطاط کی بنیاد رکھی اور جامع عتیق کی تعمیر کی۔ یکم شوال ۴۳ھ مطابق یکم جون ۶۶۴ء کو عید الفطر کے دن انتقال ہوا۔

کافی قدیم ہے۔ کہنگی کے آثار درودیوار سے نمایاں ہیں۔ بلکہ صحن اور بیرونی دالانوں میں ویرانی محسوس ہوتی ہے۔ دروازہ پر چند پرانے قسم کے مصری جن میں شاید کچھ مسجد کے خادم اور جاروب کش وغیرہ بھی ہوں موجود تھے۔ جو غالباً آنے جانے والوں کو مسجد دکھلایا کرتے ہوں، اور ان سے کچھ انعام حاصل کر کے اپنی گذر اوقات کی راہ نکالتے ہوں موجود پائے۔ جب ہم لوگ پہنچے تو انہوں نے ہمارا استقبال بھی اپنے مخصوص انداز میں کرنا چاہا۔ لیکن جب انہوں نے محسوس کیا کہ حکومت کے افرادہ کارکن رہنمائی کے لئے ہمارے ساتھ ہیں، تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ بہرحال ہم لوگ مسجد میں داخل ہوئے محراب کے پاس جا کر نفلیں پڑھیں۔ مجھ پر تو اس وقت عجیب کیفیت طاری تھی، جب تک نفلیں پڑھتا رہا یہی احساس رہا کہ سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ آگے کھڑے نماز پڑھا رہے ہیں جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو اس قدر گریہ طاری ہوا کہ بیان مشکل ہے۔ دوسری طرف یہ بات بھی عجیب پیش آئی کہ دعا کے وقت، اپنے بزرگ، احباب اور مخلصین یاد آتے گئے اسی مسجد میں بائیں طرف حضرت عبد اللہ[1] بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما المتوفی ۶۳ھ کا مزار مبارک ہے جو مسجد کے باہر نہیں اندر ہی ہے۔ ممکن ہے اس وقت آپ کی تدفین مسجد کے باہر متصل ہی ہوئی ہو۔ پھر جب مسجد کی توسیع

---

[1] مشہور صحابی عمرو بن العاص فاتح مصر کے صاحبزادے اور خود بھی صحابی۔ اپنے والد سے پہلے ایمان لائے۔ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظ، حضور کی اجازت سے احادیث لکھتے بھی تھے۔ نوافل، تلاوت قرآن اور روزہ سے بڑا شغف تھا۔ ان کی وفات کہاں ہوئی اور کب ہوئی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ۶۵ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں مصر میں وفات پائی ۱۲ (استیعاب)

عمل میں آئی تو مزار مبارک کو اندر لے لیا گیا ہو۔

بہر حال آپ کا مزار کٹہرے سے گھرا ہوا ہے۔ اور جیسا کہ مصر میں رواج ہے، مزار کے اوپر کم و بیش پانچ فٹ اونچا لکڑی کا منقش تابوت رکھا ہوا ہے، بیٹھ کر فاتحہ پڑھی اور دیر تک متوجہ رہا۔ پھر ہم لوگ مسجد سے باہر نکلے اور اس قبرستان میں حاضر ہوئے جہاں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ان کے جلیل القدر صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ملاّمندہ مدفون ہیں۔ اسی سے قریب شیخ جلال الدین سیوطیؒ رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۹۱۱ھ) کا مکان بھی ہے۔

شہر کا یہ حصہ قدیم ہے، اور اس جگہ اسلامی لشکر فاتح مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں اترا تھا۔ اس علاقہ میں ابتک قدامت کا غلبہ ہے۔ اور جدید تمدن کے آثار بہت کم نظر آتے ہیں۔ اب کچھ حکومت کی طرف سے نئے قسم کے مکانات

جلال الدین سیوطیؒ جلال الدین عبد الرحمٰن بن کمال الدین السیوطی المصری الشافعی۔ قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں نشو ونما پائی۔ رجب سنہ ۸۴۹ھ (سنہ ۱۴۴۵ء) سن ولادت ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی وبیان اور بدیع ولغت میں کمال حاصل کیا۔ بعض لوگوں نے فقہ میں علامہ سراج الدین بلقینی اور حدیث میں حافظ ابن حجر کا ہم پلہ بتایا ہے شام حجاز، یمن ہندوستان اور ممالک مغربی کی سیاحت کی۔ ۶۰۰ سے زیادہ تصنیفات ہیں۔ عمر صرف ۶۲ سال پائی اور سنہ ۹۱۱ھ (سنہ ۱۵۰۵ء) میں وفات پائی۔ تفسیر درمنثور، طبقات الحفاظ، طبقات المفسرین، اتقان فی علوم القرآن اور جامع الصغیر وغیرہ مشہور تصانیف ہیں۔ السیوطی جامع ازہر کے فاضل اور یہ نازفرزند ہیں۔
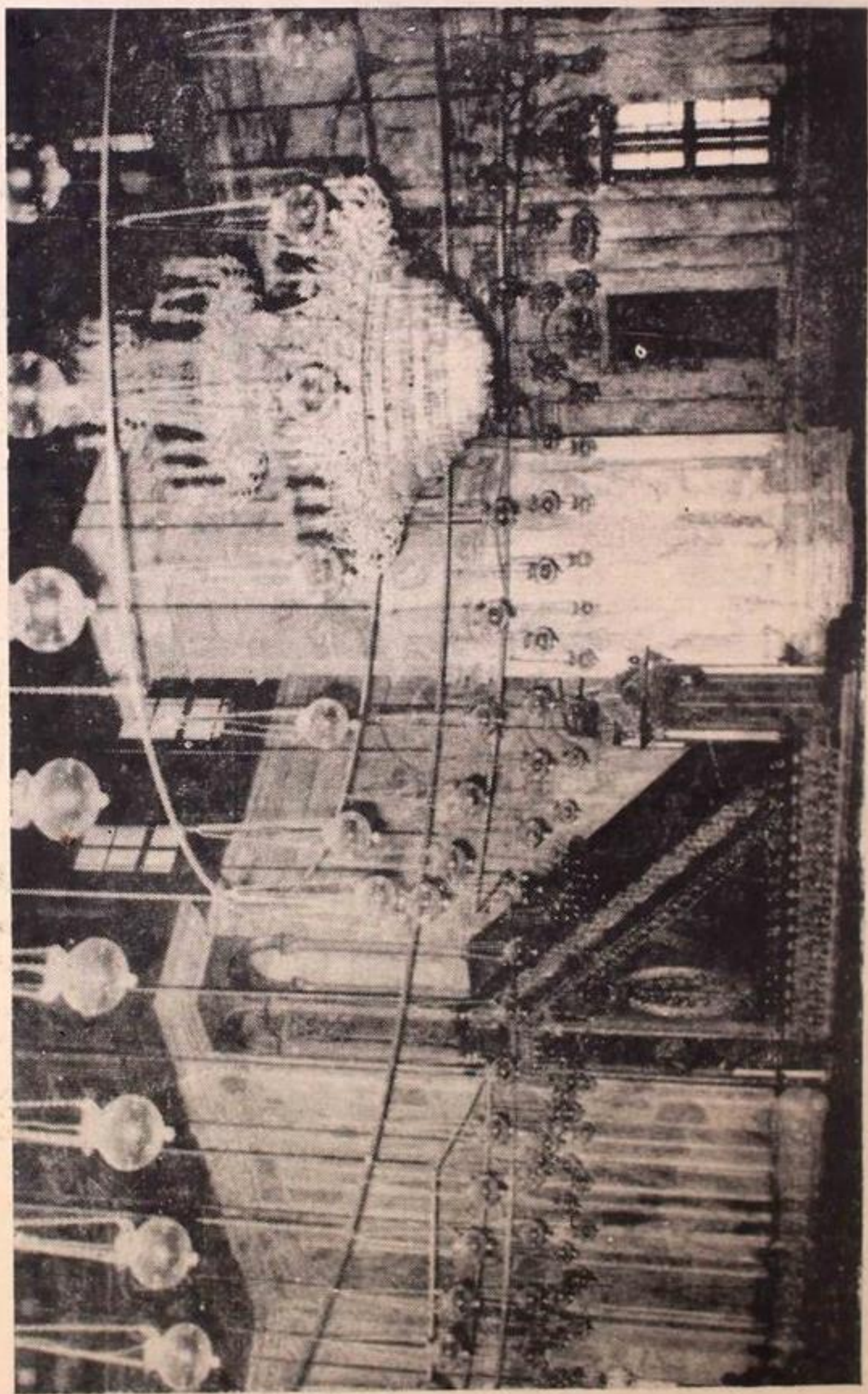
مسجد محمد علی پاشا کا اندرونی منظر
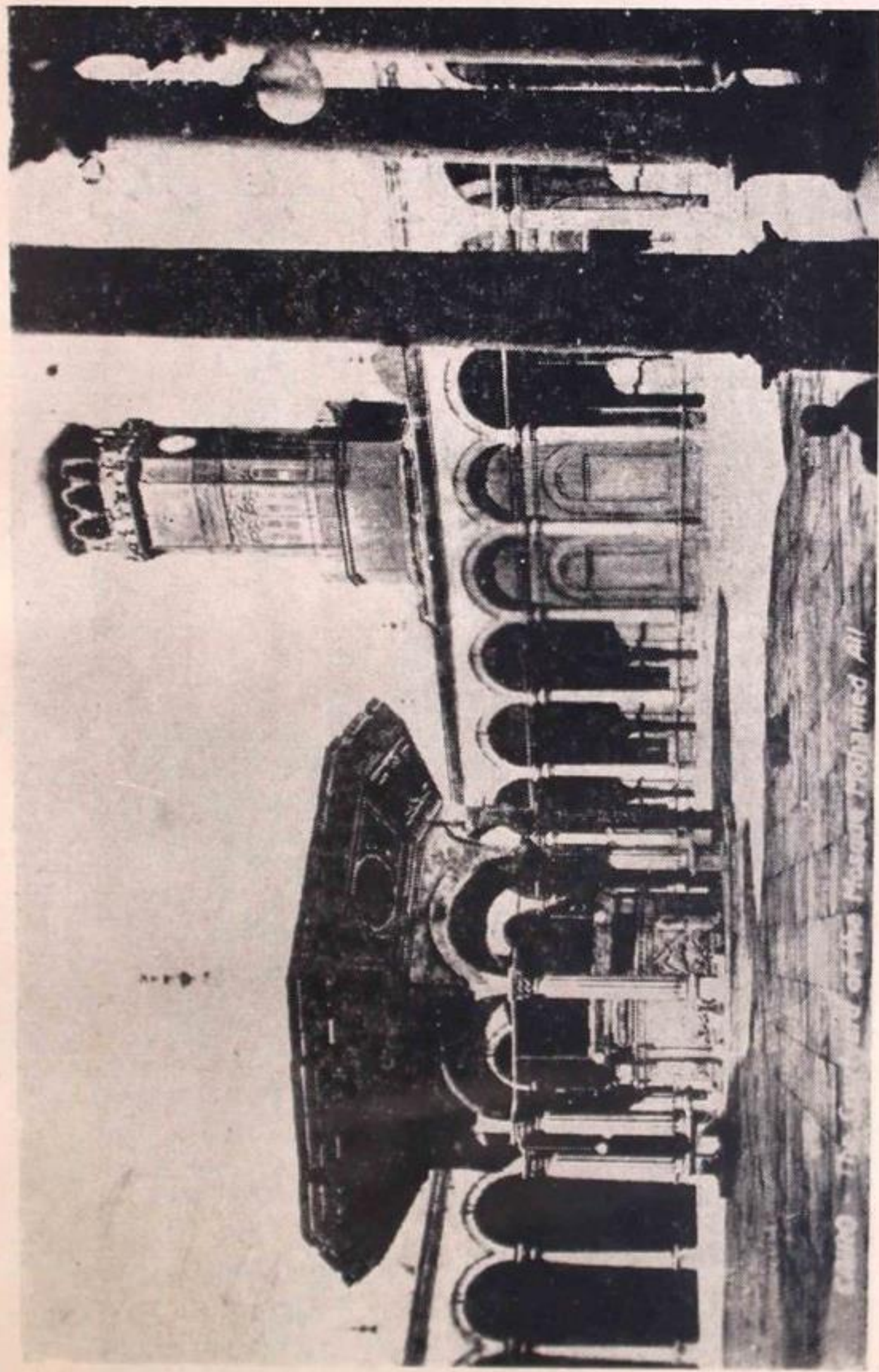
(اندرون قلعہ صلاح الدین) مسجد محمد علی پاشا کا بیرونی منظر

اور کوارٹر بن رہے ہیں۔ اس علاقہ میں موٹریں کم دکھائی دیتی ہیں۔ اور چار پہیوں والی کھلی ہوئی گاڑی جسے گھوڑے اور گدھے بھی کھینچتے ہیں زیادہ نظر آتی ہے۔ عام طور پر ان گاڑیوں سے بار برداری کا کام لیتے ہیں لیکن یہ ان قسم کے مصری سواری کا مصرف بھی لیتے ہیں۔ اسی حلقہ میں قلعہ صلاح الدین ایوبی عـــہ واقع ہے یہ قلعہ ایک پہاڑی پر واقع ہے، اور آج بھی اپنے بنانے والوں کی عظمت وہیبت کی شہادت پیش کرتا ہے۔ اس قلعہ میں دو مسجدیں ہیں۔ ایک مسجد جسے معزول شاہ فاروق کے دادا محمد علی پاشا عـــہ نے تعمیر کرایا تھا یہ مسجد ایک خاص طرز کی ہے۔ اندر ایک بہت بڑا مربع ہال ہے۔ جس کی چھت چار ستونوں پر قائم ہے۔ اور اس پر بارہ گنبد ہیں۔ مسجد کی تعمیر میں ایک خاص قسم کے پتھر کا استعمال کیا گیا ہے۔ جس میں بادامی رنگ کی دھاریاں ہیں، اور

عـــہ **صلاح الدین ایوبی** ولادت ۵۳۲ھ۔ وفات ۵۸۹ھ۔ تاریخ اسلامی کی چند مشہور اور عظیم شخصیتوں میں سے ایک صلیبی حملوں کے توڑ اور بیت المقدس کی آزادی میں انتہائی شجاعت، اور اعلیٰ انسانی قدروں کا ثبوت دیا۔ عمر ۵۷ برس پائی۔ مصر پر ۲۴ سال اور شام پر ۱۹ برس سلطنت کی۔ دمشق میں مزار ہے۔

عـــہ محمد علی پاشا ۱۷۶۹ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۴۹ھ میں وفات پائی۔ نپولین بوناپارٹ نے ۱۷۹۸ھ سے ۱۷۹۹ھ تک مصر پر مسلسل حملے کئے اور عثمانی فوجوں کو مسلسل شکستیں دیں محمد علی پاشا نے آکر جنگ کا رخ پھیرا اور نپولین کو شکست دیکر مصر سے باہر نکالا محمد علی پاشا ابتداءً خلافت عثمانیہ کے نائب کی حیثیت سے مصر پر حکمرانی کر رہے تھے پھر آزاد حکومت قائم کرلی اور سلطنت خدیویہ کی بنیاد ڈالی جسکے آخری تاجدار مصر کے معزول بادشاہ فاروق ہیں۔ محمد علی پاشا نے بہت سی یادگاریں چھوڑیں جسمیں اہم اور قیمتی یادگار قلعہ صلاح الدین میں ان کی بنوائی ہوئی مسجد ہے۔

اور دھاریوں کے قدرتی پیچ و خم نے اس میں ایک خاص حسن پیدا کر دیا ہے۔ جیسے ساگوان کی لکڑی میں دھاریاں ہوا کرتی ہیں۔ مسجد سے باہر اسی پتھر کے بنے ہوئے ظروف اور فراعنۂ مصر کے مجسمے ملتے ہیں۔ لیکن بہت گراں، میں نے اسی پتھر سے بنے ہوئے ایک چھوٹے سے گلدستے کی قیمت پوچھی تو دوکاندار نے تین پونڈ بتلائی۔ یعنی ہندوستانی روپے کے حساب سے ساڑھے اکتیس روپے، بہر حال یہ اپنے طرز کی نئی مسجد ہے اور بہت سے مصری حضرات اسے دنیا کی حسین ترین مسجد بتلاتے ہیں۔ اسی مسجد کے جنوب و مغرب میں محمد علی پاشا کا مزار ہے۔ جس پر کم از کم آٹھ دس فٹ اونچا لکڑی کا بنا ہوا منقش تابوت رکھا ہوا ہے۔ دوسری مسجد قلاؤن ناصر[ع] کی طرف منسوب ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں جب مصر پر فاطمیین کی حکومت تھی، اسی دور کا یہ مشہور بادشاہ گذرا ہے۔ مسجد کافی وسیع ہے۔ مسجد کی پوری چھت پتھر کے گنبدوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ چھت کے

ع: الملک المنصور قلاؤن مملوکین کے اہل کا نامور بادشاہ گذرا ہے ۶۹۳ھ میں نو برس کی عمر میں تخت نشین ہوا ہے۔ ایک ہی برس کے بعد معزول کر کے نظر بند کر دیا گیا۔ پھر ۶۹۹ھ میں تخت شاہی پر بیٹھا جب کہ اسکی عمر پندرہ برس تھی ۷۰۸ھ میں انقلاب زمانہ کے تحت تخت سلطنت سے دست بردار ہو گیا۔ ۷۰۹ھ میں وہ پھر بادشاہ ہوا ۷۴۱ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ چھپن سال عمر پائی اور چوالیس سال کچھ مہینے بادشاہی کی۔ محمد بن قلاؤن نامور روشن دماغ اور دبدبہ کا بادشاہ تھا رفاہ عام کے بہت سے کام کئے، پل بنوایا، وسیع ہسپتال بنوایا۔ ایک رصدگاہ قائم کی شام اور مصر میں کثرت سے مساجد تعمیر کرائی۔ قلعہ صلاح الدین میں "مسجد قلاؤن" اسی کی یادگار ہے۔ علمی ذوق بھی رکھتا تھا۔ قاضی القضاۃ علامہ بدر الدین کے درس حدیث میں شریک ہوا کرتا تھا مشہور سیاح ابن بطوطہ نے مصر کی سیاحت اسی کے دور میں کی۔

نیچے تمام لکڑی جڑی ہوئی ہے اور لکڑی پر مختلف قسم کے نقش و نگار ہیں لیکن مسجد ویران ہے اور اس سے وحشت ٹپکتی ہے۔ ظہر کا وقت ہو چکا تھا اسی مسجد کے ایک دالان میں جو صحن مسجد کے بعد واقع ہے ہم لوگوں نے ظہر کی نماز پڑھی۔ ساتھیوں میں سبھی مسلک اور مذہب کے لوگ تھے امامت مفتی محمود صاحب حنفی (پاکستانی مندوب) نے کی۔ نماز میں مسٹر جونز بھی شریک تھے۔ یہ یوگوسلاویہ کے رہنے والے ہیں وہاں کسی کالج میں پروفیسر تھے۔ اپنی زبان میں اسلام کا مطالعہ کیا اور مشرف باسلام ہوئے۔ صورت شکل اور لباس سے بالکل انگریز، قد بھی سات فٹ سے کم نہیں۔ مالکی طریقہ پر نماز پڑھی، جوشیلے مسلمان ہیں اور اشاعت اسلام کا بے پناہ جذبہ دل میں رکھتے ہیں۔ نماز سے فراغت کے بعد ہم لوگوں نے قلعہ میں شاہی محلات دیکھے۔ کمروں میں جابجا مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔ جن کے ذریعہ بادشاہوں کے مختلف حالات اور ان کے مشاغل ظاہر کئے گئے ہیں۔ ایک جگہ دکھلایا گیا ہے کہ ابراہیم پاشا جوتے پہنے بیٹھے ہیں اور حقہ پی رہے ہیں۔ دوسرے کمرے میں محمد علی پاشا کا دربار لگا ہوا ہے۔ تین مصری عوام اپنی درخواستیں پیش کر رہے ہیں اور ایک وزیر ترکی زبان میں درخواست کا مفہوم بادشاہ کو بتلا رہا ہے۔ تیسرے کمرے میں بادشاہ کے سامنے ان کے استاد بیٹھے تلاوت قرآن پاک کر رہے ہیں۔ غرض تقریباً پورے محل کو تصویروں اور مجسموں سے اس طرح سجایا گیا ہے کہ اس دور کے حالات پر روشنی پڑ سکے محل کے مرصع کمرے اور حمام اور ان کی دیواروں کا دلکش رنگ و روغن قدیم تہذیب و تمدن کی طرف سے آج کی ترقی یافتہ دنیا کے لئے بھی چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہم لوگ تین بجے واپس آئے۔ آج کی یہ سیر شیخ عبد الجلیل شلبی فاضل ازہر کی رہنمائی میں ہوئی۔ شیخ موصوف ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہیں حکومت مصر نے فندق اطلس میں ٹھہرنے والے مہمانوں کی میزبانی اور ان کی ضرورتوں کی نگرانی کے لئے مقرر کیا ہے۔ شیخ عبد الجلیل بڑے حاضر جواب اور بذلہ سنج شخص ہیں مصر کے آثار قدیمہ اور جدیدہ سے اچھی طرح واقف ہیں جس بس کے ذریعہ آج ہم لوگوں نے سیر کی، اس میں لاؤڈ اسپیکر بھی لگا ہوا تھا۔ شیخ موصوف جاتے اور آتے مسلسل بولتے ہی رہے۔ اور ہر ہر چیز بتلاتے رہے۔ چار بجے شام کو مولانا محمد اسمٰعیل ندوی کا ٹیلیفون آیا کہ ڈاکٹر عائشہ بنت الشاطی نے چھ سے سات بجے شام تک کا وقت دیا ہے۔ یہ مولانا اسماعیل مدراس کے رہنے والے ہیں، دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے فارغ التحصیل، قاہرہ میں ایم۔ اے۔ کر رہے ہیں۔ (خدا کرے کامیاب ہو چکے ہوں) بڑے صالح نوجوان اور محبت کے آدمی ہیں۔ پورے قیام مصر میں مجھ پر بڑے مہربان رہے۔ مولانا اسماعیل نے وہاں شادی بھی کر لی ہے۔ تقریب نکاح میری واپسی کے ہفتہ عشرہ بعد انجام پائی۔ اس مبارک تقریب میں شریک نہ ہونے کا مجھے اتنک افسوس ہے۔

دہلی سے چلتے وقت ڈاکٹر ریاض العزنے کتابوں کا ایک بنڈل اور خط ڈاکٹر عائشہ کے نام دیا تھا۔ کہ انہیں پہنچا دیا جائے۔ مولانا اسماعیل نے موصوفہ سے وقت لیا۔ ہم لوگ مغرب سے بہت پہلے چلے۔ ان کا مکان قاہرہ کے تقریباً آخری حصے میں ہے۔ پہنچنے میں کچھ دیر ہوئی جب ان کے مکان پہنچے تو مغرب کا وقت ہو چکا تھا۔ اوسط درجہ کا دو منزلہ مکان۔ نشست گاہ (ڈرائنگ روم) کا

فرنیچر بھی معمولی، لیکن صاف ستھرا۔ سب سے پہلے ایک ملازم نے ہمارا استقبال کیا۔
کمرے میں لے جاکر بیٹھایا۔ پھر دکتورہ عائشہ کے شوہر شیخ امین الکوخی تشریف لائے۔
اھلاً وسھلاً کہتے ہوئے، سبھوں سے مصافحہ کیا۔ یہ مصری وفد کے ساتھ ہندوستان
آچکے ہیں۔ جمعیۃ علماء کے اجلاس سورت میں شریک ہوئے تھے۔ ریٹائرڈ پروفیسر ہیں
ہم لوگوں نے جماعت کے ساتھ اسی کمرے میں مغرب کی نماز پڑھی۔ اتنے میں شیخ
ندیم الجسر مفتی فلسطین ولبنان شمالی بھی آگئے۔ اس کے بعد ڈاکٹر عائشہ اھلاً وسھلاً
کہتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ گون پہنے ہوئے پورے مغربی لباس میں۔ مزاج پرسی
کے بعد گفتگو شروع ہوئی۔ میں نے خط اور ڈاکٹر ریاض العتر کی دی ہوئی کتابیں پیش
کیں۔ یہ ڈاکٹر عائشہ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ہیں۔ کالج میں پروفیسر ہیں مصر کی مشہور صاحب قلم
ہیں۔ اور اب دینیات پر بھی لکھتی ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا کہ۔ ان القرآن انزل
علی سبعۃ احرف کا کیا مطلب ہے۔ جواب دیا " ای علی سبعۃ قراءۃ
وسبعۃ لھجۃ التی کانت جاریہ علی لسان العرب " عرض کیا گیا کہ
احادیث بتلاتی ہیں کہ فرق صرف لہجہ کا نہیں۔ الفاظ کا بھی تھا۔ ایک روایت میں
" عصیاً " دوسری میں " عتیا " آیا ہے۔ دکتورہ نے کہا کہ قرآن پر حدیث کو حجت
نہیں بنایا جاسکتا۔ پھر انہوں نے اپنی کتاب " التفسیر البیانی للقرآن الکریم "
منگوائی۔ اس کے آخری صفحات جو سورہ " تکاثر " سے متعلق ہیں پڑھے۔ اس میں
یہ دعوی کیا گیا ہے کہ " نعیم " کا لفظ قرآن کریم میں صرف " نعیم آخرت " ہی کے
معنی میں استعمال ہوا ہے۔ " نعیم دنیا " کے معنی میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ عرض
کیا گیا کہ سورہ تکاثر کا سیاق بتلاتا ہے کہ " نعیم سے نعیم دنیا " مراد ہے۔ پھر کیا تھا

تقریر شروع ہوئی اور آواز بلند، کہا "یا مولانا لا واللہ نعیم الاخرۃ۔ نعیم الاخرۃ۔ نعیم الاخرۃ۔ المراد انھم یسئلون عن النعیم الحق ما ھو" اسی درمیان پھیکا سا شربت آیا اور پھر کافی بھی آئی۔ ڈاکٹر عائشہ کے جواب سے تشفی کسی کو نہ ہوئی مگر بولنے کی ہمت کس میں تھی۔ پھر انھوں نے "زرتم المقابر" پر بولنا شروع کیا اور کہا کہ یہاں اور الفاظ کو چھوڑ کر قبر کے لئے زیارت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ قبر میں رہنا نہیں بلکہ زائر کی طرح گذرنا ہے۔ وہ منزل نہیں زیارت گاہ ہے اور یہ بات اس انداز میں کہی کہ گویا پہلی بار موصوفہ ہی نے معلوم کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر البیانی میں لکھا بھی ہے کہ "ولیس یعجیب ان یفوت ھذا السر البیانی المفسرین اس پر شیخ ندیم الجسر نے کہہ دیا "ھذا ظاھر" یعنی یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ بس پھر کیا تھا انہوں نے گرج کر کہا "یا شیخ واللہ ما کان ظاھرا" بوڑھا شیخ شرمندہ ہو کر رہ گیا۔ اب رات کے آٹھ بج چکے تھے، اجازت چاہی تو اٹھنے نہ دیا۔ کہا گیا کہ ہم لوگ ایک پارٹی میں مدعو ہیں اس میں شریک ہونا ہے۔ ڈاکٹر عائشہ نے کہا "کھانا ہی کھانا ٹھہرا تو ہمارے یہاں کھا لو۔ بالآخر کسی دوسرے روز آکر کھانا کھانے کا وعدہ کیا تو اجازت ملی۔ ایسی تعلیم یافتہ ذہین اور فصیح اللسان عورت کی مجلس میں شریک ہونے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ انھوں نے اپنی کتاب "تفسیر البیانی للقرآن الکریم" کا ایک نسخہ مجھے دیا۔

آج مارچ کی ۱۱ر تاریخ ہے۔ ۹ر مارچ کو مسئلہ اجتہاد پر بحث نہیں ہو سکی تھی۔ آج اس پر مناقشہ ہوا۔ موتمر کے جلسے دو وقت ہوتے ہیں۔ صبح دس بجے سے دو بجے تک اور

پھر شام پانچ بجے سے شب کے ساڑھے آٹھ بجے تک۔ صبح کے اجلاس میں بارہ بجے آدھ گھنٹہ کے لئے وقفہ دیا جاتا ہے اس وقفہ میں "قاعۃ المؤتمرات" سے باہر گیلری میں آیئے تو ہلکے ناشتہ اور چائے کا سامان موجود ہے مصری نوجوان طشت میں عمدہ قسم کے بسکٹ، پیسٹری لئے گھوم رہے ہیں شوق فرمایئے۔ دو ایک ٹیبل پر چائے اور پیالیاں رکھی ہیں۔ بنایئے اور پیجئے۔ کچھ لوگ ٹھنڈے مشروب کے لئے کھڑے ہیں۔ دل چاہے، وہ پیجئے۔ اسی گیلری کے ایک طرف ایک بڑے کمرے میں مصری تازہ ترین مطبوعات سجی ہوئی ہیں۔ وہاں جا کر کتابیں دیکھئے۔ شام کا اجلاس پینتالیس منٹ کیلئے مغرب کی نماز کی خاطر ملتوی ہوتا ہے۔ اسی منزل میں ایک بڑے کمرے پر "مصلیٰ" کی تختی لگی ہوئی ہے۔ ایک ایک بڑا قالین بچھا ہوا ہے۔ نماز اسی کمرے میں ہوتی ہے۔ جو پہلے پہونچ گیا اس نے نماز شروع کر دی۔ بعد میں آنے والے شریک ہوتے گئے۔ اس کا کوئی سوال نہیں کہ امام کس مسلک کا ہے۔ جگہ کی تنگی کے باعث اکثر دو، دو، تین، تین، جماعتیں ہوتی ہیں۔ وضو کے لئے علحدہ کوئی خاص نظم نہیں۔ "مبنی محافظہ القاہرہ" کی اکثر منزلوں میں کسی ایک طرف کمرے میں منہ ہاتھ دھونے کے لئے بیسن لگے ہوئے ہیں۔ وہاں وضو کر لیجئے پیشاب خانے بھی ہیں لیکن اس میں بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے۔

بہر حال، آج بھی ٹھیک دس بجے موتمر کا اجلاس شروع ہوا اور اجتہاد کے موضوع پر بحث چلی۔ موضوع اہم تھا۔ تمام ہی قابل ذکر لوگوں نے مناقشہ میں حصہ لیا شب کو ساڑھے آٹھ بجے اجلاس ختم کرتے ہوئے دو اعلان کئے گئے۔ ایک تو یہ کہ آج سید عبد العزیز وزیر تعلیمات حکومت مصر نے آپ لوگوں کو رات کے کھانے پر

مدعو کیا ہے اور یہ دعوت "فندق سمیرامس" میں دی جارہی ہے۔ دوسرا اعلان یہ ہوا کہ ۱۲ اور ۱۳ مارچ کو موتمر کے اجلاس نہیں ہوں گے۔ اور مندوبین کو مختلف مقامات کی سیر کرائی جائے گی۔ یہاں یہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اگلے پروگراموں کی اطلاع بس ہاتھ کے ہاتھ ہوتی ہے۔ یعنی اس میں بھی کچھ فوجی انداز جھلکتا ہے۔ بہرحال ہم لوگ اجلاس ختم ہونے کے بعد "فندق سمیرامس" چلے۔ غالباً سمیرامس کسی فرعون کا نام ہے۔ اور یہ ہوٹل اسی کے نام پر ہے اور قاہرہ کے بڑے ہوٹلوں میں ہے۔ قاہرہ میں ہوٹلوں کی کیا کمی وہ تو ہوٹلوں کا شہر ہی ہے۔ ایک سے ایک ہوٹل ہیں۔ بلکہ یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ قاہرہ کی آبادی کا ایک حصہ ایسا بھی ہے جس کے پاس اپنا مکان نہیں اور ان کی ایک بڑی تعداد ہوٹلوں میں زندگی گذارتی ہے اور جو بات کبھی یورپ والوں کے واسطے کہی گئی تھی وہ آج مصر والوں پر صادق آرہی ہے۔ ع

کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جاکر

اور چونکہ قاہرہ میں باہر سے آنے والے سیاحوں کا ہمیشہ ہی ہجوم رہتا ہے اس لئے بھی ہوٹل ہر وقت آباد رہتے ہیں اور موتمر میں شریک ہونے والے نمائندوں کے ساتھ تو تقریباً روز یہی ہوا کہ صبح کی چائے انہوں نے اپنی قیام گاہ پر پی، دوپہر کا کھانا وہیں کھایا، اور شب کو کہیں دعوت ہوگئی، کبھی کسی ادارہ کی طرف سے اور کبھی کسی ذمہ دار شخص کی جانب سے۔ تقریباً روزانہ ہی دعوتوں کے کارڈ آتے ہیں یا شب کو اجلاس ختم ہوتے وقت جناب صدر اعلان فرماتے کہ "آج محترم ارکان موتمر کی دعوت فلاں کی طرف سے اور فلاں ہوٹل میں ہے۔ اس طرح

ہمیں بہت سے بڑے بڑے ہوٹلوں میں جانے اور کھانے کا اتفاق ہوا۔ حقیقتاً وہاں کے ہوٹلوں کی رفعت اور رہنے سہنے اور کھانے پینے کے ساز و سامان کا تعلق دیکھنے سے ہی ہے متعدد ہوٹلوں کی عمارتوں پر تو قصر شاہی کا دھوکہ ہوتا ہے یوں کہئے کہ شاہ فواد اور شاہ فاروق نے بڑے بڑے محل بنوائے اور ان میں عیش و عشرت کے سارے سامان مہیا کئے۔ لیکن وہ اس سے تنہا متمتع اور لطف اندوز ہوتے تھے۔ آج قاہرہ میں بہت سے محل ہوٹلوں کی شکل میں موجود ہیں جن سے تنہا ایک شخص نہیں بہت سے افراد بہرہ مند اور لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ بہر حال ہم لوگ فندق سمیر امس پہنچے وزیر تعلیم استقبال کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ ہر ایک سے ملتے مصافحہ کرتے اخوش آمدید کہتے اور ہوٹل کے وسیع اور مرصع ہال میں بیٹھنے کا اشارہ فرماتے۔ چالیس پینتالیس منٹ تک یہی سلسلہ رہا۔ اس درمیان میں کچھ ٹھنڈی چیزیں بھوک کھولنے والی آتی رہیں۔ اور لوگ پیتے رہے اس کے بعد ہم لوگ ہوٹل کے دوسرے ہال میں لے جائے گئے یہاں کھانے کے ٹیبل سجے ہوئے تھے۔ کھانا اور اسے کھلانے کا اور کھانے کا طریقہ بالکل مغربی، تقریباً ڈیڑھ گھنٹے میں فراغت ہوئی۔

۱۲ر مارچ ۱۹۶۴ء کو "محلۃ الکبری" کی سیر کا پروگرام تھا۔ یہ مصر کا مل ایریا (MILL AREA) ہے۔ سات بجے صبح کو روانگی ہوئی اور شام کو ساڑھے چار بجے واپسی ہوئی۔ محلۃ الکبری قاہرہ سے ایک سو ستیس کیلو میٹر ہے۔ سڑک نہایت وسیع کنکریٹ کی بنی ہوئی ایک طرف جانے کے لئے۔ دوسری طرف آنے کے لئے۔ درمیان میں تین چار فیٹ چوڑی کچی کیاری جس میں چھوٹے

بڑے پھولوں کے درخت اور پودے لگے ہوئے۔ ہم لوگ کاروں اور بسوں پر محلہ الکبریٰ پہنچے منتظمین نے ناشتہ کا سامان ساتھ لے لیا تھا۔ چلتی ہوئی بسوں اور کاروں میں ہی ناشتہ ہوا۔ آج کی سیر میں شیخ عبد المنعم النمر بھی ساتھ تھے۔ جو ازہر کی طرف سے دو سال تک دار العلوم دیوبند میں عربی زبان و ادب کے استاد رہ چکے ہیں۔ اسی زمانہ میں انہوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ بھی کیا تھا۔ اور ایک دن کے لئے مونگیر بھی آئے تھے۔ محلہ الکبریٰ میں کپڑے کی ملیں ہیں۔ جنہیں ۱۹۲۷ء میں طلعت حرب نے قائم کیا۔ اس حلقہ میں کپڑے کے چھوٹے بڑے تین سو بیس کارخانے چل رہے ہیں۔ ساری مشینیں آپ سے آپ چلنے والی (AUTOMATIC) ہیں پھر بھی تیئیس ۲۳ ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ ان کے رہنے کے لئے کوارٹر، نہانے اور تیرنے کیلئے "حمام السباحۃ" (BATHING POOL) ہے کھیلنے کے لئے بڑے بڑے میدان ہیں۔ ان کے بچے اور بچیوں کے لئے اسکول جن میں تعلیم کے ساتھ ساتھ صنعت و حرفت سکھانے کا بھی معقول اور مناسب نظم ہے اور وہ بھی اس انداز میں کہ اس سے ان کی تعلیم کا خرچ نکل سکے۔ بچوں کے لئے قالین بننے کا کارخانہ ہے۔ پچیسوں کھڈیاں لگی ہیں۔ آٹھ سال سے بارہ سال تک کے بچے کھڈیوں پر بیٹھے قالین بن رہے ہیں۔ اساتذہ گھوم گھوم کر کاموں کی نگرانی کرتے ہیں اور بچوں کے کاموں کی اصلاح کرتے جاتے ہیں۔ ہر بچہ تین یا چار گھنٹہ روزانہ اس کارخانہ میں کام کرتا ہے۔ ہر روز بچے کے کام کی مقدار اور اس کی اجرت اس کے نام کے سامنے لکھ دی جاتی ہے۔ بنے ہوئے قالین حکومت خرید لیتی ہے اور انہیں دوسرے ملکوں میں برآمد کرتی ہے۔ بچیوں کے لئے دستکاری کا نظم ہے۔ بڑے بڑے ہال میں ٹیبل

لگے ہوئے ہیں۔ ان پر دست کاری کے سامان رکھے ہوئے ہیں۔ سیکڑوں لڑکیاں کام میں مشغول ہیں۔ کسی طرف دستی رومال بن رہے ہیں۔ کہیں تکیہ کا غلاف اور کسی جگہ میز پوش تیار ہو رہے۔ استاد و استانیاں گھوم گھوم کر کاموں کا معائنہ کر رہی ہیں۔ ایک طرف شوروم (SHOW ROOM) ہے جہاں بچیوں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی چیزیں سلیقے سے رکھی ہوئی ہیں۔ آنے والے خریدتے بھی ہیں۔ لیکن قیمتیں بہت زیادہ۔ کارخانے کے چھوٹے بڑے پچاسوں شیڈ بڑے وسیع رقبہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ روئی دھننے سے لے کر رنگائی تک کپڑوں کو جتنے مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے۔ ہر مرحلہ علیحدہ علیحدہ حلقوں میں انجام پا رہا ہے۔ مصر کی روئی تو سارے عالم میں مشہور ہے۔ کچھ مراحل گذر جانے کے بعد روئی کے پوئے ریشم کی طرح نرم اور چمکدار ہو جاتے ہیں اور اس سے بنے ہوئے کپڑوں میں بھی ایک خاص چمک اور نرمی ہوتی ہے۔ کارخانے کے پہلے دروازے پر جلی حرفوں میں "المصنع للغزل والنسیج" لکھا ہوا ہے یعنی کاتنے اور بننے کا کارخانہ۔ اسی سے بائیں طرف ایک بڑی عمارت ہے جو اس کارخانے کا کلب ہے۔ کارخانہ دیکھنے کے بعد ہم لوگ اسی کلب میں آئے۔ ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی۔ آج ہم لوگ گویا اس کارخانہ کے مہمان تھے ظہر کے بعد کلب کے وسیع ہال میں دوپہر کا کھانا کھایا۔ نہایت پر تکلف، لیکن وہی مغربی طرز کا، قاہرہ، اسکندریہ اور اسمعیلیہ وغیرہ تو مغربی تہذیب و تمدن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مشرقیت تو کہیں دور، دور بھی نظر نہیں آتی۔ عورتوں اور مردوں کا لباس ان کا رہن سہن، کھانے کے اقسام اور اس کے طریقے ہر چیز مغربیت کے پورے رنگ میں رنگی ہوئی۔ البتہ مصر کا تمدن انگلینڈ سے زیادہ فرانس سے

متاثر ہے۔ فرانسیسی اثرات یہاں کی زندگی پر نمایاں نظر آتے ہیں۔ کھانے کے اقسام بھی زیادہ تر فرانسیسی ہی ہیں۔ اب مثلاً فندق اطلس جس میں ہم لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں اس میں جب کھانے کی فہرست (مینو) آپ کے سامنے آئے گی تو حسب ذیل چیزیں ضرور لکھی ہوئی ملیں گی۔ "شوربا بصل علی الطریقۃ الفرنسیہ" (FRENCH-ONION SOUP) - "السولسیری بالصوص الفرنسی" (IONGUE - SWISS CHEESE) "مختارات من الجاتوہ الفرنسی" (FRENCH- ASSORTEOL PESTRISS) وغیر ذلک۔ گرچہ اس فہرست کے ایک گوشے میں آپ کو "الکوفتہ والکباب علی الطریقہ الشرقیۃ" (مشرقی طرز کے کوفتے اور کباب) بھی لکھا ہوا ملے گا۔ لیکن یہ کسی مشرقی کی فرمائش اور تقاضہ ہی پر تیار ہوتا ہے اور وہ بھی معرّب[1]، ورنہ عام طریقے پر ہوٹلوں میں تیار کھانے فرانسیسی ہی قسم کے ملیں گے۔ یا پھر اٹیلین کھانے کی ایک قسم "مکرونا" جسے مصری حضرات بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ میدہ کی بنی ہوئی موٹی سوئیاں، نلکیوں کی مانند اندر سے کھوکھلی نہ نمکین نہ میٹھی، بالکل پھیکی جیسے ابلا ہوا میدہ منہ میں ڈال لیا۔ یہ مکرونا مجھے تو کبھی پسند نہ ہوا۔ ہاں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ کچھ رغبت سے تناول فرماتے تھے۔

کپڑے کی اس مل کو دیکھ کر ہم لوگ شام کو واپس ہوئے۔ موتمر کا اجلاس کل بھی بند تھا۔ یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ کوئی مقالہ پڑھنا چاہئے۔ ہمارے پاس تو

---

[1] عربی طرز پر تیار کیا ہوا جس میں نمک کے سوا اور کوئی مصالحہ نہیں ہوتا۔

صرف دعوت نامہ گیا، کوئی ایجنڈا بھیجا نہیں گیا جس سے تو تمر کا کام اور اس کا طریقہ کار معلوم ہوتا۔ قاہرہ پہنچے تو دیکھا کہ لمبے لمبے مقالے پڑھے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ مقالے ایک دو روز میں ارتجالاً لکھے نہیں گئے۔ ہر مقالے کی ترتیب وتسوید میں کم از کم دو تین ہفتے لگے ہوں گے۔ بلکہ ماہ ڈیڑھ ماہ بھی لگ گئے ہوں گے تو تعجب کی بات نہیں۔ اگر ہمیں خبر ہوتی تو مقالہ لکھ کر لے جا سکتے تھے۔ لیکن بے خبری میں وہاں پہنچے تو خیال ہوا کہ چند صفحوں ہی کا سہی، اسی مسئلہ اجتہاد پر ایک مقالہ لکھ کر پیش کر دیا جائے۔ چنانچہ لکھا اور مولوی عبدالودود قاسمی اعظمی نے اسے عربی زبان میں منتقل کیا۔ یہ مولوی عبدالودود اعظم گڈھ کے رہنے والے دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہیں، قاہرہ جا کر ازہر میں کچھ تعلیم حاصل کی اور اس وقت قاہرہ ریڈیو اسٹیشن میں کام کر رہے ہیں۔ سمجھدار اور ذہین نوجوان ہیں، طبیعت میں انفعال زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ قاہرہ پہنچ کر اپنی مادر علمی دارالعلوم کے اثرات کو کھو بیٹھے اور ایک ازہری فاضل کا انداز اختیار کر لیا۔

۱۳/مارچ جمعہ تھا، ہم لوگوں کو آئے ہوئے کئی دن ہو چکے، لیکن اب تک اپنے ملک کے سفارت خانے والوں سے ملاقات بھی نہ ہو سکی۔ یہاں اندنوں مسٹر عظیم حسین سفیر ہیں۔ مسٹر کمار فرسٹ سکریٹری اور مسٹر استھانا کلچرل اٹیچی، معلوم ہوا کہ سفیر ہند بھی بار بار اپنی مجلسوں میں ہم لوگوں کا تذکرہ کر چکے ہیں اور مسٹر استھانا نے تو کئی مرتبہ ٹیلیفون کے ذریعہ ہم لوگوں سے رابطہ قائم کیا اور دو مرتبہ فندق اطلس بھی آئے۔ لیکن ہم لوگوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ آج دس بجے مسٹر استھانا ہی کی دعوت پر ہم لوگ "دار الشای الہندی" (ہندوستانی چائے خانہ) گئے

کہنا چاہیئے کہ یہ مرکز ہندوستانیوں اور ہندوستان کے حامیوں کا اڈہ ہے یہاں ہندوستان نے ایک ریسٹورنٹ کھول رکھا ہے جس میں چائے تو خیر ملتی ہی ہے۔ خاص طور پر ناشتہ کی چیزیں ہندوستانی طرز کی تیار ہوتی ہیں اور ہندوستانی مٹھائی بھی خصوصیت سے بنائی جاتی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مصری حضرات ہندوستانی مٹھائیاں بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہاں مسٹر کمار اور مسٹر استھانا سے تعارف اور ملاقاتیں ہوئیں۔ اور سموسے، کچوریاں، رس گلے، برفی کے دیکھنے اور کھانے کا اتفاق ہوا۔ وہیں سفیر ہند کی ملاقات کے لئے آج شام کا وقت مقرر ہوا۔ ہمارے سفارت خانہ والوں کو بڑی فکر اس کی تھی کہ کہیں موتمر میں کشمیر کا معاملہ زیر بحث نہ آئے، چائے پر گفتگو کا موضوع خاص طور پر مسئلہ کشمیر ہی رہا۔ انھیں بتایا گیا کہ یہ موتمر خالص مذہبی اور علمی ہے۔ اس میں سیاسی مسائل کے زیر بحث آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

آج جمعہ کی نماز ہم نے "الجامع الشافعی" میں پڑھی۔ یہ شاندار اور وسیع مسجد امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی جانب منسوب ہے۔ غالباً اسی مقام پر وہ

امام شافعیؒ ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ

امام ابو عبداللہ محمد ابن ادریس الشافعی۔ غزہ (فلسطین) میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں نشو ونما پائی۔ امام مالکؒ امام محمد بن حسنؒ اور دیگر ائمہ کبار سے علم حاصل کیا۔ ۱۹۹ھ میں مصر آگئے اور یہیں سے ان کا مسلک شائع ہوا۔ ارباب اجتہاد میں خاص حیثیت رکھتے ہیں اور دنیا میں کروڑوں مسلمان ان کے مسلک پر عمل پیرا ہیں۔ وفات مصر ہی میں پائی اور وہیں مزار مبارک ہے۔

مسجد یہی ہوگی جہاں حضرت امام شافعیؒ نماز پڑھتے تھے۔ حضرت موصوف نے اپنا
آخری دور یہیں گزارا اور یہی وجہ ہے کہ پورا مصر شافعی مسلک کا پابند نظر آتا ہے
حنفی و مالکی وغیرہ اتفاقاً ہی نظر پڑتے ہیں۔ اسی جامع شافعیہ کی پشت پر حضرت
امام شافعی رحمۃ اللہ کا مزار مبارک ہے۔ جس راستہ سے ہم لوگ جامع شافعیہ گئے
مسجد کے کچھ دور پہلے سے سڑک کی دونوں جانب مزارات و مقبرے ہی نظر
آئے معلوم ہوا کہ صرف اس جذبہ کے تحت کہ میت کو امام شافعی علیہ الرحمہ سے
قریب دفن کیا جائے۔ لوگوں نے زمینیں لے کر اپنے اعزہ کو دفن کیا ہے اور مقبرے
بنا لئے ہیں۔ ہر جمعرات کی شام سے وہاں ایک میلہ سا لگتا ہے شہر کے کنارے
اور مضافات سے لوگ عورت و مرد کے امتیاز کے بغیر ہزاروں کی تعداد میں
آتے ہیں اور انہیں مقبروں میں رات گزارتے، اور جمعہ کی نماز کے بعد واپس
ہوتے ہیں۔ ہم لوگ جب جمعہ کی نماز کے لئے جامع شافعیہ میں پہنچے تو مسجد سے
باہر میلے کی سی کیفیت تھی۔ سڑک کے کنارے چھوٹی چھوٹی دوکانیں لگی ہوئی
ہیں۔ خوانچے والے اور ٹھیلہ گاڑیوں پر چیزیں بیچنے والے بڑی تعداد میں
اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں۔ عورتیں، مرد، بچے اور بچیاں اس کثرت سے کہ
راہ چلنا مشکل بہرحال ہم لوگ جب جامع شافعیہ میں داخل ہوئے تو قاری
عبد الباسط عبد الصمد تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ قاہرہ میں ایک
دستور یہ ہے کہ ان تمام مسجدوں میں جہاں جمعہ کی نماز ہوتی ہے کوئی اچھا
قاری اذان اول سے پہلے پینتالیس پچاس منٹ تک تلاوت قرآن
کرتا ہے۔ اس کے لئے مسجد میں خاص تخت بچھا ہوا ہے۔ سامنے لاؤڈ اسپیکر

موجود ہے اور ہزار پانچسو نمازی بھی اتنی دیر پہلے مسجد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ قاہرہ میں جہاں جہاں بھی جمعہ پڑھنے کا اتفاق ہوا یہی دیکھا۔ قاری عبدالباسط عبدالصمد مصر کے مشہور قرا میں ہیں اور شاید شیخ محمود حصری کے بعد انہیں کا درجہ ہے۔ ہم لوگوں کو آٹھویں یا نویں صف میں جگہ ملی، قرأت کا کیا کہنا، سبحان اللہ! قرآن اور پھر عربوں کی زبان سے اور وہ بھی مصری لہجے میں جب تک تلاوت ہوتی رہی عجیب کیف رہا۔ یہاں قرآن سننے کا انداز بھی انوکھا ہے جیسے ہمارے یہاں مشاعرے ہوتے ہیں اور مصرع اور شعر کی شاعر کو داد دی جاتی ہے۔ کم و بیش اسی طرح یہاں ہر آیت پر قاری کو داد ملتی ہے لیکن قرآن کی عظمت کا پورا پورا لحاظ و پاس رکھتے ہوئے قاری نے ایک آیت تلاوت کی اب پورا مجمع یا اکثر افراد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اللہ کہیں گے اگر قاری نے کوئی چھوٹی آیت تلاوت کی ہے تو تسبیح و تحمید و تحسین کے یہ الفاظ مجمع ایک ہی مرتبہ کہے گا۔ اور اگر اس نے لمبی آیت پڑھی ہے اور وہ بھی ایک ہی سانس میں تو مجمع تحسین کے الفاظ کو بار بار دہرائے گا اور پھر پڑھنے والے اور سننے والے، دونوں کی زبان عربی، قرآن کو صرف پڑھتے اور سنتے ہی نہیں بلکہ سمجھتے بھی ہیں۔ انہیں اس طرح داد دینے کا حق پہنچتا ہے اور میں نے تو یہ دیکھا کہ بعض سننے والے بالکل مغربی تہذیب میں ڈوبے ہوئے، لیکن جھوم رہے ہیں۔ بعض کی آنکھیں نم، اور بعض کی آنکھوں سے آنسو جاری، یقیناً سمجھنے والے پر قرآن کا یہ اعجاز ظاہر ہونا ہی چاہیئے۔ میں نے تو دیکھا کہ ہندوستان میں بھی اگر کوئی اچھا پڑھنے والا قرآن دل لگا کر پڑھے تو بے پڑھے لکھے لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں اور ان کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر جن کی زبان ہی عربی ہے ان کے تو آنسو بہنا ہی چاہیئے۔ پینتالیس منٹ کے بعد قاری عبدالباسط نے تلاوت ختم کی اور خود ہی اذان دی۔

ہم لوگ سنتوں کے لئے کھڑے ہو گئے، لیکن دو رکعت بھی پڑھنے نہ پائے تھے کہ خطبہ شروع ہو گیا۔ اس دیار میں اذان اور خطبہ کے درمیان بہت تھوڑی مہلت دی جاتی ہے لکڑی کا اونچا منبر بارہ سیڑھیوں والا مصر میں ہر جگہ ہی دیکھا۔ قدیم مسجدوں میں بھی اور جدید مسجدوں میں بھی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر[1] بھی لکڑی ہی کا تھا لیکن اس میں تین زینے تھے

---

[1] جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ابتداءً منبر نہ تھا، مٹی کے چبوترے کو خطبہ کے وقت بیٹھنے کے وقت استعمال کرتے تھے اور کھجور کے تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کی کثرت ہوئی اور خطبہ کی آواز کو ہر جگہ پہنچانے کی مصلحت کے پیش نظر ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ ھل لک ان نجعل لک منبراً تقوم علیہ یوم الجمعۃ وتسمع الناس خطبتک (عینی جلد سوم ص۲۹۵) تو آپ کے لئے لکڑی کا منبر بنا جس میں تین زینے تھے، اوپر کا حصہ جس پر آپ تشریف رکھتے تھے اسے "مستراح" کہتے تھے وہ ایک ہاتھ لمبا اور ایک ہی ہاتھ چوڑا تھا۔ اور بقیہ دونوں زینوں کی چوڑائی ایک ایک بالشت تھی اور پورے منبر کی اونچائی دو ہاتھ تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی زینے پر قدم مبارک رکھتے اور اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیتے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رض مستراح پر بیٹھنے کے بجائے درمیانی زینے پر بیٹھتے تھے اور پہلے زینے پر قدم رکھتے تھے۔ پھر سیدنا عمر فاروق رض نے یہ ادب برتا کہ نچلے زینے پر تشریف رکھتے اور زمین پر پیر رکھتے۔ سیدنا عثمان غنی رض نے اس کو چھ سال تک اپنا معمول رکھا لیکن کسی مصلحت کے پیش نظر سب کے اوپر اسی "مستراح" پر بیٹھنے لگے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوتے تھے۔ یہ منبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم امارت سیدنا معاویہ رض کے ابتدائی زمانہ تک تین ہی زینوں کا تھا پھر آپ ہی کے عہد میں مدینہ کے امیر (گورنر) مروان نے اس منبر کے نیچے چھ زینوں کا اضافہ کیا۔ اس وقت سے مسجد نبوی کا منبر تین کی بجائے نو زینوں کا ہو گیا۔

(بقیہ حاشیہ صہ ۴۸ پر)

ممکن ہے دو تین سو برس پہلے نمازیوں کی کثرت کے پیش نظر انہیں خطبہ کی آواز پہنچانے کی خاطر منبر اونچا کر دیا گیا ہو۔ اور سیڑھیاں تین سے بارہ بنا دی گئی ہوں۔ لیکن اب تو ہر جگہ لاؤڈ اسپیکر لگے ہوئے ہیں۔ تین سیڑھیوں والے منبر سے بھی آواز ہر جگہ پہنچ سکتی ہے۔ بہر حال ایک جوان فاضل الازہر ازہری لباس میں ملبوس منبر پر آئے۔ "زنا" کی شناعت پر بلیغ خطبہ دیا۔ پہلا خطبہ قرآن کی آیتوں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں سے مزین تھا۔ دوسرے خطبہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر زور دیا۔ اور کہا کہ یہ فریضہ صرف حکومت کا نہیں ہے۔ اپنی حکومت کے رہتے ہوئے بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض علماء پر، عمائدین قوم پر، ملت کے سربراہوں پر، اور انفرادی حیثیت میں ہر مسلمان پر عائد ہوتا ہے۔ کہ "الا[1] کلکم راع و کلکم مسؤل عن رعیتہ" جمعہ کی نماز ختم ہوئی اور سنتوں کا انتظار کیے بغیر امام صاحب کا وعظ شروع ہو گیا۔ خیال ہوا کہ قاری عبدالباسط عبدالصمد صاحب سے ملاقات کی جائے کہ ان کی تلاوت قرآن نے ایمان کو تازگی بخشی ہے۔ ہم لوگ سنتوں سے فارغ ہوئے پھر بھی دیکھا کہ ان پر مصافحہ کرنے والوں کا ہجوم ہے۔ خیر کچھ دیر کے بعد ان سے جا کر ملا۔

(بقیہ حاشیہ ۴۷) ۶۵۴ھ تک یہی منبر رہا۔ اس سال جب مسجد نبوی آگ سے جل گئی تو مظفر صاحب الیمن نے مسجد کی نئی تعمیر کے ساتھ ساتھ منبر بھی نیا بنوایا۔ (فتح الباری دوم ص۳۳۱ - جلد دوم ص۲۹۵ خلاصتہ الوفا ص۱۱۳)

[1] ترجمہ یاد رکھو! تم میں سے ہر شخص زیر نگرانی لوگوں کا اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح چرواہا اپنے گلہ کا اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کے لیے جواب دہ ہے۔

اس وقت میرا بھی وہی حال ہوا جو قص کے بعد اپنے پیروں کو دیکھ کر مور کا ہوا کرتا ہے۔
ازہر کا فاضل مصر کا مشہور حافظ و قاری لیکن اسے بھی ڈاڑھی برداشت سے کوئی دلچسپی
نہیں۔ اور عوام تو عوام ..... مصر کے علماء و شیوخ نے بھی داڑھی کے معاملہ میں ایسا رویہ اختیار
کیا ہے کہ گویا اس کا منڈانا ہی اصل ہے۔ اور شاید رکھنا بہتر نہیں، ایک فاضل ازہر سے
اس پر بات چیت ہوئی تو میں نے عرض کیا، آپ ..... حضرات نے تو داڑھی کے معاملہ
میں قلب موضوع کر رکھا ہے۔ علماء، تو علماء مشائخ طریقت بھی اسی رنگ میں رنگے
ہوئے ہیں۔ فرمانے لگے "ہمارے خیال میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ
اعمال و افعال جو آپ نے ایک عرب ہونے کی حیثیت میں فرمائے ہیں وہ سنت نہیں
اور نہ دین کے باب میں حجت ہیں۔ ہاں جو کام آپ نے نبی ہونے کی حیثیت سے
انجام دیئے ہیں وہ یقیناً مسنون ہیں اور دین کے لئے حجت ہیں۔ اب یہ لمبا کرتا پہننا،
کمبل اوڑھنا، داہنے ہاتھ سے کھانا کھانا، یا کھانے میں کدو یا بکری کا اگلا دست پسند کرنا،
داڑھی رکھنا وغیرہ اس زمانہ میں عرب کا شعار و طریقہ تھا۔ ان کاموں کو آپ بھی عرب
قوم کے ایک فرد ہونے کی حیثیت سے انجام دیا کرتے تھے یا اپنے ذاتی ذوق کی بنیاد پر
فرمایا کرتے تھے، ان چیزوں کو مسنون یا دینی کام نہیں کہا جا سکتا"۔ میں نے عرض کیا
اولاً تو آپ نبی تھے۔ اور ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حیثیت میں نبی تھے۔ نبوت کو کسی وقت
بھی آپ سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی پوری زندگی خلوت کی ہو یا جلوت کی
خانگی ہو یا بیرونی، ذاتی ہو، یا اجتماعی اور عوامی، انسان کے لئے اسوہ اور نمونہ تھی۔
اور پھر داڑھی کے معاملہ میں تو یہ ہے کہ آپ نے خود رکھی اور قوم کو داڑھی کے بڑھانے کا
حکم دیا۔ اگر آپ کا فعل محض ذاتی تھا، یا عرب کے شعار و رواج کے تحت تو آپ نے

دوسروں کو ڈاڑھی بڑھانے کا حکم کیوں فرمایا؟ اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں، وہ جوابات دیتے گئے لیکن تشفی نہ ہو سکی۔

جامع شافعیہ کافی بڑی اور وسیع مسجد ہے لیکن نمازیوں سے بھری ہوئی، اندر باہر کہیں تل دھرنے کی جگہ نہیں۔ ہم نے تو جمعہ کی نماز جہاں جہاں پڑھی مصلیوں کے اژدہام کا یہی عالم دیکھا۔ یہاں تک کے مسجدوں سے باہر فوٹ پاتھ، سڑکوں پر صفیں لگ جاتی ہیں۔ اور کچھ دیر کے لئے سواریوں کی آمد و رفت رک جاتی ہے۔ نماز کے کافی دیر کے بعد حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ کے مزار پر حاضری دی، وہاں بھی لوگوں کی بھیڑ تھی پیتل کی جالیوں سے گھرا ہوا مزار ایک بڑے اونچے قبہ کے نیچے ہے۔ جالی کے اندر ساڑھے پانچ فٹ اونچا لکڑی کا تابوت قبر پر رکھا ہوا ہے۔ جالی کے چاروں طرف گیلری میں دیوار سے لگی ہوئی فقراء کی ایک بڑی تعداد بیٹھی ہوئی ہے۔ بڑے بڑے دانوں کی تسبیح ہاتھ میں۔ دو ایک نابینا حافظ تلاوت قرآن میں مشغول ہیں۔ اور آیتوں کے درمیان "یا امام یا ہمام" کا نعرہ بھی لگتا جا رہا ہے۔ لوگ خود بھی ہاتھوں سے اور منہ سے جالی کو چومتے ہیں۔ اور اپنے بچوں کو بھی "تبریک" کے لئے لاتے ہیں۔ اور جالی سے چمٹا دیتے ہیں۔ یہ بھی دیکھا کہ بہت سے لوگ پرچیاں لکھ کر جالی میں ڈالتے ہیں۔ خیر میں نے فاتحہ پڑھی۔ جب چلنے لگا تو ایک صاحب تشریف لائے۔ لمبا کرتا، ترکی ٹوپی پہنے، کندھے پر ایک قیمتی شال، صاحب سلامت کے بعد کہنے لگے کہ "الفاتحہ" عرض کیا گیا کہ ہم لوگ تو فاتحہ پڑھ چکے ہیں۔ پھر فرمایا "البرکہ" میں تو اس اصطلاح کو بالکل سمجھ نہ سکا لیکن ہمارے رفیق رہنما نے جیب سے چند قرش نکال کر ان کے حوالے کئے تو معلوم ہوا کہ "البرکہ" کے معنی "انعام بخشش" کے ہیں۔ مگر یہ اصطلاح صرف مزارات ہی پر

سننے میں آئی۔

زمانہ قیام قاہرہ میں کئی جگہ جمعہ کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مسجدوں کی آبادی اور نمازیوں کے ہجوم کا یہی حال دیکھا۔ مساجد کا نظم بھی معقول اور اطمینان بخش ہر مسجد میں امام و موذن مقرر، امام فاضل ازہر ہی ہوتا ہے۔ غالباً دوسرا امامت نہیں کر سکتا۔ امام کی تنخواہ چالیس پونڈ یعنی تقریباً سوا چار سو روپے ماہوار، اور موذن کی بیس بائیس پونڈ ماہوار ہوتی ہے۔ ہر مسجد میں قالین کے فرش، بجلی و پانی کا معقول نظم، پیشاب خانہ اور وضو خانہ ضرور رہے گا۔ لاوڈ اسپیکر سے بھی کوئی مسجد خالی نہیں۔ اذان اور نمازیں لاوڈ اسپیکر ہی پر ہوتی ہیں۔ حکومت مصر نے اوقاف کی ایک مستقل وزارت قائم کی ہے اور مسجدوں کے سارے اوقاف کو اسی وزارت کے تحت کر دیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ وزارت اوقاف نے مسجدوں کے نظم کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی ہے۔ یہ سارے انتظامات وزارت ہی انجام دیتی ہے اور امامت کے لئے فاضل ازہر کی شرط لگا کر فضلاء ازہر کی بے روزگاری کو بھی ایک حد تک دور کر دیا ہے۔

یہ بھی دیکھا کہ ہر مسجد کے ساتھ کسی بڑی شخصیت کا مزار بھی ہے۔ قاہرہ میں جامع شافعیہ کے علاوہ مسجد زینب، مسجد جامع ازہر، اور مسجد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ بڑی اور آباد مسجدیں ہیں۔ مسجد حضرت حسینؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہاں آپ کا سر مدفون ہے۔ طنطہ، اور اسکندریہ میں بھی یہی دیکھنے میں آیا۔ بہرحال ہم لوگ جامع شافعیہ سے واپس ہوئے اور شام کو چھ بجے سفیر ہند مسٹر عظیم حسین سے ملنے چلے۔ ایک کار میں ہم لوگ جا رہے تھے پچھلی سیٹ پر حضرت مولانا محمد طیب صاحب

اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی، اور راقم الحروف، اگلی سیٹ پر مولوی محی الدین العوائی تھے۔ موصوف کیرالا کے رہنے والے ہیں اور قاہرہ میں محکمہ نشر و اشاعت سے متعلق ہیں۔ باصلاحیت اور سنجیدہ شخص ہیں۔ اعربی اچھی لکھتے ہیں چہرہ پر ہلکی سی داڑھی بھی ہے۔ ہندوستانیوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں ڈرائیور مصری مسلمان تھا پہلے تو اس نے مولوی محی الدین صاحب سے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے نام بتلا دیا لیکن اس کی تشفی نہ ہوئی۔ پھر اس نے سوال کیا انت من المسلمین؟ (کیا آپ مسلمان ہیں؟) جب محی الدین صاحب نے اثبات میں جواب دیا اس نے سلام و مصافحہ کیا اور "اھلا و سہلا" کہہ کر استقبال کیا یعنی داڑھی کا ہونا مسلمان ہونے کی نشانی نہیں۔ اس دیار میں تو داڑھی تو یہودی زیادہ رکھتے ہیں۔ محی الدین ہونا بھی مسلمان ہونے کی پہچان نہیں۔ ابراہیم، اسحاق، یعقوب وغیرہ نام کے بہت سے یہودی اور عیسائی آپ کو ملیں گے۔ ان تجربات سے گذرتے ہوئے ہم لوگ سفیر ہند کی کوٹھی پر پہنچے۔ موجودہ سفیر ہند مسٹر عظیم حسین سر فضل حسین کے صاحبزادے ہیں۔ بڑے شریف، سنجیدہ اور سمجھدار انسان ہیں گھنٹے بھر تک باتیں ہوتی رہیں۔ بڑی خوبصورتی سے انہوں نے ہم لوگوں کو اس پر تیار کرنا چاہا کہ یا تو مسئلہ کشمیر موتمر میں زیر بحث نہ آنے پائے اور اگر آئے تو پھر ہم لوگ اس میں حصہ لیں اور ہندوستان کی بھرپور نمائندگی اور وکالت کریں۔ ہم نے بتایا کہ یہ خالص دینی اور علمی کانفرنس ہے۔ اس میں کسی سیاسی مسئلہ کے زیر بحث آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اچھی صحبت رہی ہندوستان کے سفارتخانوں میں مصر کا ہندوستانی سفارت خانہ درجہ اول کا ہے۔ ہندوستان کافی روپیے اس پر خرچ کرتا ہے متعدد

مکانات کرایہ پر ہیں۔ ایک مکان میں لائبریری بھی ہے۔ جس میں انگریزی، عربی اور کچھ اردو کتابیں ہیں۔ کچھ اخبارات و رسائل آتے ہیں۔ ہندوستان سے بھی اردو کے دو اخبارات منگائے جاتے ہیں۔ ایک روزنامہ "قومی آواز" لکھنؤ اور دوسرا ہفتہ وار "پرچم ہند" دہلی۔ سفارت خانہ کا دفتر الگ ہے۔ سفیر مسٹر عظیم حسین کے علاوہ ہندوستان سے گئے ہوئے لوگوں میں سفارت خانہ کے دو ذمہ دار منصبوں میں سے ایک پر مسٹر اسھتانا اور دوسرے پر مسٹر کمار ہیں۔ اور کلرکوں میں غالباً ایک مسلمان بھی ہیں مصری قانون کے مطابق ہر بیرونی ادارہ اور سفارت خانہ کو اپنے اہل کاروں میں کچھ فی صدی مصریوں کو رکھنا لازم ہے ہمارے ہندوستانی سفارت خانہ نے وہ تعداد مصری عیسائیوں کو رکھ کر پوری کر لی ہے۔ اور اب تو مسٹر عظیم حسین بھی وہاں سے بلالئے گئے ہیں اور شاید جرم ان کا یہ تھا کہ جب مسٹر چو۔این۔لائی مصر گئے تو انہیں دی گئی پارٹی میں مسٹر غلام حسین نے بھی شرکت کی جس کے متعلق ہندوستان کی پارلیامنٹ میں کہا گیا کہ جس شخص کے بدن میں ہندوستانی خون ہوگا وہ چو۔این۔لائی کو دی گئی پارٹی میں شریک ہونا گوارا نہیں کر سکتا۔

آج شب کو "نادیۃ المعلمین" (انجمن اساتذہ - TEACHER'S - ASSOCIATION) کی طرف سے "فندق البرج" میں ہم لوگوں کی دعوت تھی۔ یہ ہوٹل بھی قاہرہ کے قابل ذکر اور بڑے ہوٹلوں میں ہے۔ ہوٹل کی عمارت موجودہ دور میں فن تعمیر کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ سامان اور فرنیچر بھی ایک پر ایک کہ بس دیکھا کیجئے۔ دعوت بھی نہایت شاندار اور پر تکلف، ہمارے ایک مشرقی بزرگ نے بے لطفی سے کھانا کھایا۔ بات یہ ہوئی کہ انہوں نے ٹیبل پر مغربی انداز سے

کھانا شروع کیا۔ اس طرح انہیں کھانے کی عادت نہیں تھی۔ کانٹا بائیں ہاتھ میں لیں تو میں لوگوں دائیں ہاتھ میں لیں تو دوسرے لوگ مسکرائیں، بیچاروں کی جان ضیق میں آگئی۔ کانٹا چھری ہاتھ میں لینے کے بعد اسے چھوڑ کر ہاتھ سے کھانا بھی مشکل۔ میں تو بے تکلف ہاتھ سے کھاتا رہا۔ اور اب لوگوں نے گوشۂ چشم سے دیکھنا بھی چھوڑ دیا۔ یہ ہوٹل نیل کے کنارے ہے اور اس کے قریب ہی قاہرہ کا مشہور برج ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام "فندق البرج" رکھا گیا ہے۔

برج القاہرہ بھی میں نے جا کر دیکھا۔ خوب بنایا ہے۔ دور سے تو زیادہ اونچا نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن زمین سے اس کی اونچائی پانچ سو پچپن فیٹ ہے برج کے نچلے دائرہ میں بیٹھنے کی جگہ ہے اور صوفے لگے ہوئے ہیں اور درمیان کے حصے میں تیز رفتار لفٹ ہے۔ برج کی آخری اور بالائی منزل کھلی ہوئی ہے اور متعدد دوربینیں لگی ہوئی ہیں۔ وہاں سے پورا قاہرہ نظر آتا ہے۔ اس سے نیچے والی منزل ہر طرف شیشے سے بند ہے اور اس سے نچلے دور میں ریسٹوران ہیں۔ جہاں ہر وقت ہلکے ناشتے اور چائے کا نظم رہتا ہے۔ برج کے سامنے اور دائیں بائیں بہترین پارک و چمن ہیں ایک طرف سلیقے سے ناشتے اور چائے کے ہوٹل، ڈاک خانہ اور متعدد چھوٹی چھوٹی دوکانیں جن میں مصر کی مختلف مصنوعات رکھی ہوئی ہیں۔ اور فروخت ہوتی ہیں۔ برج پر جانے کے لئے پچیس قرش کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے یہ برج بھی قاہرہ میں ایک دیکھنے کی چیز ہے۔

آج مارچ کی ۱۴ ہے۔ موتمر کا صباحی اجلاس نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ
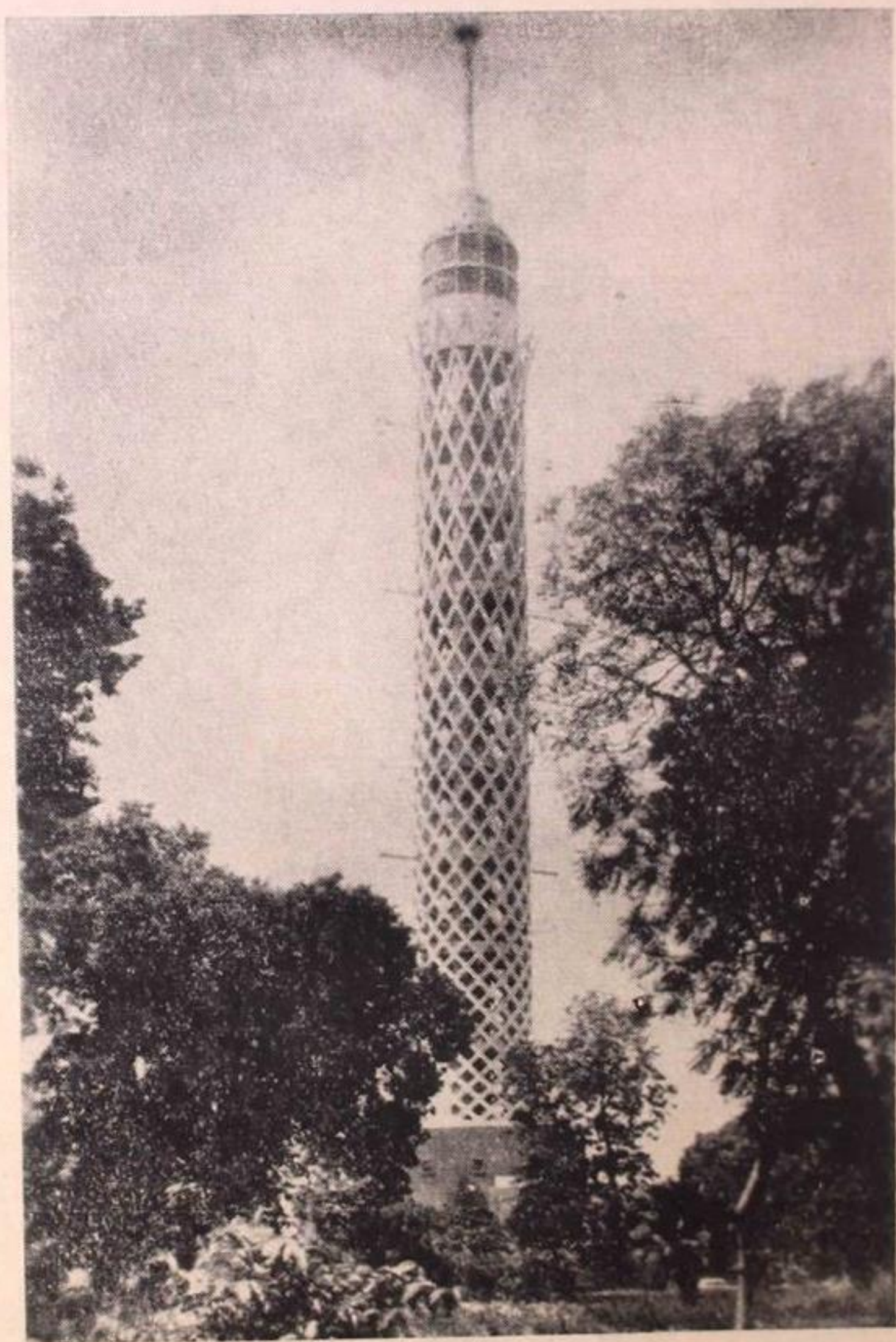
برج القاہرہ (قاہرہ ٹاور)
اونچائی ۵۵۵ فٹ

قلعہ سلطان صلاح الدین ایوبی
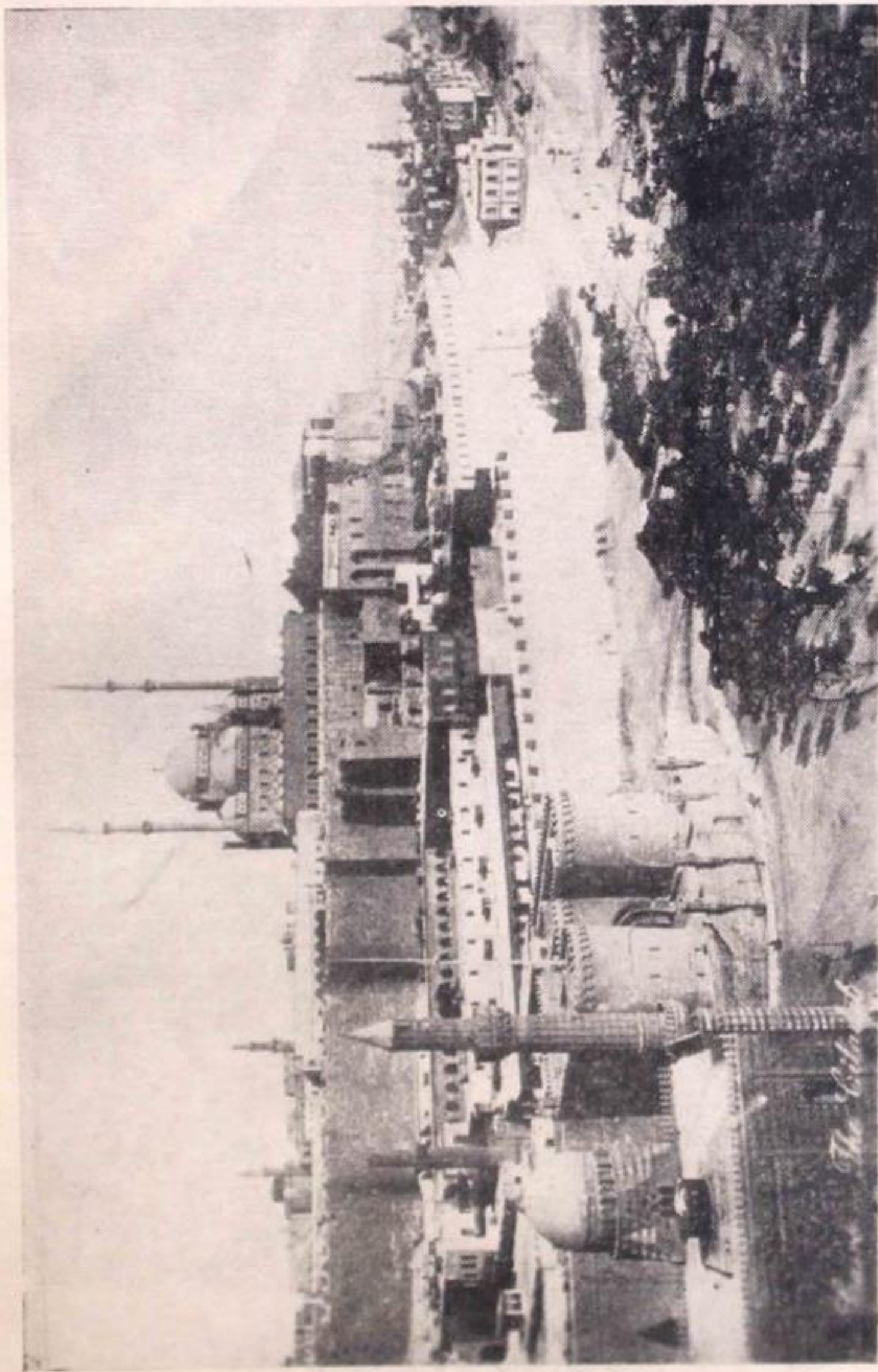
آج دس بجے صبح کو "دار القرآن" کا افتتاح ہے۔ ہم لوگ بھی مدعو ہیں۔ ایک جگہ سڑک کے کنارے جہاں دار القرآن کی عمارت بننے والی ہے۔ شامیانے لگائے گئے اور انہیں کرسیوں سے بھر دیا گیا۔ اسٹیج سے قریب ارکان موتمر کے لئے نمایاں جگہ بنائی گئی۔ ہم لوگ پہنچے اور اپنی جگہ پر جا کر بٹھلائے گئے۔ پورا شامیانہ ازہری طلبہ و فضلا سے بھرا ہوا۔ جدھر دیکھئے سرخ ٹوپیوں پر سفید رومال نظر آتے تھے ہمارے سامنے سفرائے دول، وزرائے خارجہ، اور عمائدین شہر کا حلقہ تھا۔ نعرے بہت لگتے تھے اور زیادہ تر ازہر اور جمال عبدالناصر کے لگتے تھے۔ ایک نعرہ "بسم اللہ وبا سم الازہر" کا بھی سنا۔ بڑا مجمع تھا۔ نائب صدر جمہوریہ حسین شافعی تشریف لائے اور قاری محمود حصری نے تلاوت قرآن مجید کی اور سید حسین شافعی نے افتتاحی تقریر فرمائی۔ آپ نے "الرحمٰن علم القرآن" کی تشریح کرتے ہوئے قرآن مجید کو رحمت بتلایا۔ پھر ڈاکٹر بہی وزیر اوقاف وشئون الازہر نے تقریر کی جس میں انہوں نے بتلایا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے یہودیوں نے غلط قرآن چھپوا کر عرب ممالک میں فروخت کیا تھا۔ تاکہ یہ کتاب مبین اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہے لیکن جب حکومت مصر کو اس کی اطلاع ہوئی تو حکومت مصر نے قرآن مجید کو پوری صحت کے ساتھ طبع کرایا اور اس کے لاکھوں نسخے عرب ممالک میں مفت تقسیم کئے۔ آج ہم قرآن کی خدمت کے لئے ایک مستقل ادارہ ہی کھول رہے ہیں جس کا نام دار القرآن ہوگا اور جس کی تقریب افتتاح میں آپ حضرات شریک ہیں۔ اب اسی ادارہ کے ذریعہ قرآن کی طباعت وغیرہ کی خدمات انجام پائیں گی۔ وزیر اوقاف نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ مصر میں کافی اوقاف

لیسے ہی جو میت اور اصحاب قبور پر قرآن خوانی کے لئے کئے گئے ہیں۔ اگر ان اوقاف کی آمدنیوں کو جمع کیا جائے تو ان کی مقدار معقول معلوم ہوتی ہے۔ وزارت اوقاف کا ارادہ ہے کہ وہ ان اوقاف کو بھی اپنے نظم میں لے لے۔ اور اس کی آمدنی کو دار القرآن پر خرچ کرے، تاکہ وقف کی آمدنی سے مردوں کے ساتھ زندوں کو بھی فائدہ پہنچے۔ اس کے بعد ہم میں سے ہر ایک کو ایک ایک قرآن بطور تحفہ دیا گیا۔ اور تحفہ السید حسین الشافعی، نائب صدر جمہوریہ کے ہاتھوں تقسیم ہوا۔

اسی طرح ۱۵ر مارچ کی صبح کو بھی ایک اہم تقریب میں شرکت ہوئی اور یہ تقریب جامع ازہر کی نئی تعمیر کا سنگ بنیاد رکھنے کی تھی۔ قاہرہ کے کنارے "مدینۃ النصر" کے علاقہ میں اس تقریب کے انتظامات نہایت اعلیٰ اور شاہانہ پیمانہ پر کئے گئے تھے، نہایت خوبصورت اور وسیع پنڈال بنایا گیا جس میں پچیس تیس ہزار آدمی آجائیں جس میں .... نیچے قالین کا فرش اور بیٹھنے کے لئے قالین پر کرسیوں کا نظم تھا۔ اسٹیج پر ایک طرف وزرار، اور سفرا، اور دوسری طرف باہر سے آئے ہوئے ارکان موتمر کی کرسیاں تھیں۔ پنڈال کی چھت بجلی کے قمقموں اور جھنڈوں سے مزین، اس تقریب میں خود جمال عبد الناصر صدر جمہوریہ آنے والے تھے لیکن کسی عذر کے باعث خود نہ آسکے اور نائب صدر السید حسین الشافعی کو اپنی طرف سے بھیجا۔ ہر طرف راستہ میں رہنمائی کے لئے نئے بورڈ لگا دیئے گئے تھے۔ جن پر "الی مکان احتفال الجامعۃ الازھر" (جامعہ ازہر کے جلسہ گاہ کی طرف) لکھا ہوا تھا۔ ہر طرف سے طلبہ ازہر کے وفود آرہے تھے۔ بہت سی جماعتوں کے ساتھ سرخ کپڑے کے موٹو جن پر مختلف عبارتیں

لکھی ہوئی تھیں۔ مثلاً کسی پر "معہد اسیوط الدینی یرحب برائد العروبۃ ورسول السلام جمال عبد الناصر" لکھا ہوا۔ کسی پر معہد سوھاج الازہری یحیی الرئیس جمال عبد الناصر بطل العروبۃ والاسلام۔ کسی کپڑے پر ذیل کا شعر لکھا ہوا تھا ؎

اقمت المنار جمال الھدی فانت الزعیم ونحن الفداء

جمال العروبۃ علا قبھا سلمت تحقق آمالہا

نعرے اور تالیوں کا یہاں بھی وہی حال تھا۔ یا جمال سر سر۔ عاش جمال۔ عاش جمال۔ عاش جمال۔ خادم القرآن۔ عاش جمال خادم العروبۃ عاش جمال خادم الثورۃ۔ عاش وفود الاسلام۔ انہیں نعروں کے درمیان جلسہ شروع ہوا۔ پہلے قاری محمود حصری نے تلاوت قرآن پاک کی اور جلسہ کا اختتام بھی انہیں کی قرأت پر ہوا۔ ڈاکٹر محمد بہی۔ السید حسین الشافعی نائب صدر جمہوریہ اور مدیر جامعہ ازہر نے اپنی لکھی ہوئی تقریریں پڑھیں۔ اسٹیج کے سامنے خاصی جگہ پریس، فوٹو گرافر، اور ٹیلی ویژن والوں کے لئے مخصوص تھی۔ اس کے بعد جامع ازہر کی طالبات کی کرسیاں تھیں۔ ان کے پیچھے ازہر کے فضلا، اس کے بعد ازہر کے طلبا، اور عام مصری حضرات تھے۔ مجمع کسی طرح پچیس تیس ہزار سے کم نہ ہوگا۔ یہ تقریب بھی حسن وخوبی سے انجام پائی۔ اب یہاں ازہر کی عمارتیں ہوں گی۔ اور اب اس علاقہ کا نام "مدینۃ الازھر" ہوگا۔ اب ازہر صحیح معنوں میں یونیورسٹی بنے گا کلیۃ الطب والجراحۃ (میڈیکل کالج) کھولا جائے گا۔ کلیۃ البنات" (گرلس کالج) علیحدہ ہوگا اور اس علاقہ میں ہر طرف مختلف

علوم فنون کے کالج ہوں گے۔ طلبہ کے لئے دارالاقامے ہوں گے۔ اور وسط میں ایک عظیم الشان مسجد ہوگی جس میں تقریباً بیس ہزار آدمی بیک وقت نماز پڑھ سکیں گے۔

یہ تو ۱۴ر اور ۱۵ر مارچ کی صبح کی روداد تھی۔ ان دو دنوں میں موتمر کے اجلاس شام کو ہوئے۔ ۱۴ر کی شام کو جب موتمر کا اجلاس شروع ہوا تو سب سے پہلے مصر کا صاحب قلم عباس محمود (غالباً یہی نام تھا) کی وفات پر اظہار افسوس کیا گیا۔ اور موتمر نے ایک تعزیتی تجویز منظور کی۔ اس کے بعد ایک طرف سے آواز آئی "الفاتحہ" صدر اجلاس ڈاکٹر عبداللہ ماضی نے بھی "الفاتحہ" کہا۔ سبھوں نے فاتحہ پڑھی اور ثواب رسانی کی۔ آج استاذ الجلیل شیخ محمد ابوزہرہ کا مقالہ "العلاقات الدولیۃ فی الاسلام (اسلام میں بین المملکتی تعلقات) پڑھا جائے گا۔ یہ چہتر برس کے بوڑھے شیخ محمد ابوزہرہ جو آج بھی اپنے چہرے بشرے سے ساٹھ کے نیچے ہی معلوم ہوتے ہیں موجودہ وقت کے ممتاز ترین فاضل اور مصر کی موجودہ نسل کے استاد تسلیم کیے جاتے ہیں۔ پینتیس سال تک پروفیسر رہے سیکڑوں لکچر دیئے اور ہزاروں کو پڑھایا اور اب تصنیف و تالیف میں مشغول ہیں۔ اسلامی تاریخ اور فقہ ان کا موضوع ہے۔ چند سالوں میں متعدد قیمتی کتابیں تاریخ و فقہ کے موضوع پر تالیف کر چکے ہیں۔ جو طبع ہو کر مقبول خاص و عام ہو چکی ہیں اور ان میں سے بعض کے اردو ترجمے بھی پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں۔ شیخ موصوف کا مذکورہ بالا مقالہ سائیکلو اسٹائل ہو کر ارکان موتمر میں تقسیم ہو چکا تھا اس کے باوجود شیخ ازہر نے مقالہ پڑھنے کی بجائے زبانی تقریر کرنا پسند کیا اور کہا کہ میرا مقالہ تو طبع ہو کر آپ لوگوں کو مل چکا ہے اسے اپنی اپنی قیام گاہوں پر

پڑھتے رہئے گا اس وقت تو میری سنئے۔

شیخ ابوزہرہ نے اپنے موضوع پر تقریر شروع کی اور بتلایا کہ بین المملکتی اسلامی تعلقات کی بنیاد دس چیزوں پر ہے اور انہیں نمبر وار شمار کیا۔ موتمر میں شریک ہونے والے فضلائے ازہر جن کی عمریں پچاس سال تک تھیں وہ تقریباً سب ہی شیخ کے شاگرد تھے اور اپنے استاد سے بے تکلف، ایک نے طالب علمانہ شوخی کے ساتھ کہا کہ مسئلہ کی بنیادیں نو ہی ہوئیں۔ ایک نمبر کی تکرار ہو گئی ہے۔ شیخ خاموش ہوئے۔ اور مجمع پر سوالیہ نگاہ ڈالی۔ اور پھر کہا، کہ تم نے مجھے امتحان میں ڈال دیا ہے۔ اچھا تو پھر سنو، شیخ نے مسئلہ کی بنیادیں دوبارہ شمار کرائیں۔ تو دس ہی تھیں اور پھر فرمایا کہ یاد رکھو جس ترتیب سے میں نے شمار کرایا ہے اسی ترتیب سے بولوں گا اور واقعۃً اسی ترتیب سے بولے۔ کوئی نمبر مقدم موخر نہ ہوا۔ تقریر کیا تھی، علم و فصاحت کا دریا رواں تھا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علم شیخ ابوزہرہ کی زبان کا جز دین چکا ہے اور فصاحت و بلاغت تو گھر کی بونڈی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ حکمت چین کی انگلیوں اور عرب کی زبان پر اتاری گئی" بالکل درست ہے۔ خطابت عربوں کی فطرت ہے۔ جو آتا ہے خوب بولتا ہے۔ واقعۃً ان فصیح اللسان اور زبان آور عربوں کا قرآن کے سامنے جھک جانا اور اس پر ایمان لے آنا قرآن کی سچائی کی دلیل ہے ورنہ یہ بھلا اپنے مقابلہ میں کسی کی ماننے والے ہیں وہ تو خدائی چیلنج تھا کہ "فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم صادقین" کہ عرب عاجز آگئے۔ شیخ ابوزہرہ نے اپنے موضوع پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ اسلامی بین المملکتی تعلقات کی بنیاد صلح، رحمت اور مودت ہے

یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ ہر وہ ملک جہاں غیر مسلموں کی حکومت ہو دار الحرب ہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں چونکہ سبھی غیر مسلم حکومتیں اسلامی حکومت اور مسلمانوں سے عداوت و پرخاش رکھتی تھیں اور انہیں نقصان پہنچانے کے درپے رہا کرتی تھیں۔ اس لئے علماء نے اس دور کی تمام غیر مسلم حکومتوں کو دار الحرب قرار دیا۔ لیکن آج بہت سی غیر مسلم حکومتیں ایسی ہیں کہ انہیں مسلم حکومتوں اور مسلمانوں سے کوئی پرخاش نہیں ہے بلکہ وہ مسلم حکومتوں کے ساتھ تعاون اور ان کی امداد کر رہی ہیں انہیں دار الحرب نہیں کہا جا سکتا

آج شیخ نے تقریباً دو گھنٹے تقریر کی۔ اجلاس کا وقت ختم ہو گیا اور صدر نے اعلان کیا کہ شیخ اپنی تقریر کل پوری کریں گے۔

۱۵ مارچ ۱۹۶۴ء کی شام کے اجلاس میں شیخ ابوزہرہ نے اپنے موضوع پر گفتگو ختم کی۔ دو تین حضرات نے اس پر مناقشہ کیا۔ اتنی ہی کارروائی پر اجلاس کا وقت اخیر ہو گیا اور صدر اجلاس نے آج کی مجلس ختم کرتے ہوئے کہا کہ ابھی محترم ارکان مؤتمر کو "جمعیۃ شبان المسلمین" کی طرف سے دی گئی دعوت میں شریک ہونا ہے

ہم سب لوگ "جمعیۃ" کے مرکز پہنچے جو ایک وسیع اور بڑے مکان میں واقع ہے۔ یہاں بچوں اور جوانوں کو فوجی پریڈ سکھائی جاتی ہے۔ مختلف قسم کی ورزش اور کسرت کی تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں فوجی کاموں کا اہل بنایا جاتا ہے۔ "جمعیۃ" کی شاخیں تمام مصر میں پھیلی ہوئی ہیں اور نظم و ضبط کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں مصروف ہیں۔ نوجوانوں میں ورزش اور فوجی تربیت حاصل کرنے کا جذبہ اور شوق ہے۔ مرکز اور اس کی تمام شاخوں میں کافی نوجوان آتے ہیں اور تربیت پاتے ہیں۔

پہلے ہم لوگوں کو مختلف کرتب دکھائے گئے، ورزش کے مختلف طریقوں کی نمائش کی گئی جوانوں نے ایک سو پچیس کیلوگرام تک کے وزنی لوہے کو اٹھایا، سر سے اونچا کیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ نیچے رکھا۔ ایک پارٹی نے گھونسہ بازی کا فن دکھلایا اس کے بعد چھ برس سے بارہ برس تک کے بچوں کی فوجی پریڈ ہوئی چھوٹے بچوں کا سلیقے سے قطاروں میں کھڑا ہونا، ایک ساتھ مارچ کرنا، آگے بڑھنا، پیچھے ہٹنا، ایک دلفریب منظر تھا۔ پھر ہم لوگ کھانے کے ٹیبل پر آئے۔ آج کے کھانے میں دہی بھی آیا۔ اور پکے ہوئے چاول، انگور کے پتوں میں لپٹے ہوئے۔ لیکن یہ پتوں والی بات مجھے پسند نہ آئی۔ یہاں ایک کیلوگرام انگور کی قیمت موسم میں چھ قرش ہوتی ہے ایک قرش دس "ملیم" کا ہوتا ہے اور سو قرش کی ایک مصری گنی ہوتی ہے سب سے ادنی سکہ "ملیم" ہے۔ ڈھلے ہوئے سکے ایک ملیم، پانچ ملیم، ایک قرش، پانچ قرش اور دس قرش کے ہوتے ہیں اور پانچ ملیم سے گنی تک کے نوٹ بھی کثرت سے جاری ہیں۔ کھانے کے بعد مرکز کے ہال میں جلسہ ہوا۔ "جمعیۃ شبان المسلمین" کے تین ذمہ داروں نے مقالے پڑھے اور تقریریں کیں۔ یہودیوں کے مقابلہ پر خوب خوب ابھارا اور اسے جہاد قرار دیا۔ بالخصوص افریقی ممالک سے تعاون کی اپیل کی۔ آج ایک مقالہ پڑھنے والے نے یہ بھی کہا "من آمن باللہ وبالوطن" اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مصر میں وطن کا کیا مرتبہ اور مقام ہے کہ اسے ایمان باللہ سے ملا دیا۔

۱۶/۱۷ مارچ کو غزہ[لے] کا پروگرام تھا۔ یہ فلسطین کا علاقہ ہے جسے مصریوں نے

لے شام کے آخری کنارے مشرق کے قریب مشہور مقام۔ ہاشم بن عبد مناف (حاشیہ بر صفحہ ۶۲ دیکھئے)

یہودیوں سے طاقت کے زور پر واپس لے لیا ہے۔ مندوبین ایرکنڈیشنڈ بسوں پر روانہ ہوئے۔ راستہ میں سب سے پہلا شہر "اسماعیلیہ" آیا یہ شہر تو چھوٹا ہے لیکن کافی خوبصورت اور صاف ستھرا ہے ہر طرف پارک و چمن اور نہر سوئز کے ساحل نے اس شہر کے منظر کو اور زیادہ حسین و دلکش بنا دیا ہے۔ نہر سوئز تقریباً سو میل لمبی ہے اور سوئز کے اس کنارے پر یعنی قاہرہ کی جانب یہ شہر آباد ہے۔ نہر کے کنارے ایک کلب میں محض تفریح کی خاطر اس قافلہ نے پڑاؤ ڈالا۔ اس جگہ نہر کچھ پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں سے تقریباً دو میل آگے بڑھے تو سوئز کینال آئی۔ یہاں نہر کا دہانہ تنگ ہے۔ جس سے بیک وقت ایک ہی بڑا جہاز گزر سکتا ہے۔ ہر دس منٹ پر جہاز گزرتے رہتے ہیں اس دہانے کے کنارے مختلف قسم کی مشینیں فٹ ہیں۔ مصر کی بہت بڑی آمدنی ان جہازوں کے کرائے سے حاصل ہوتی ہے اور جائے وقوع ایسا ہے کہ مغرب سے مشرق آنے جانے والے جہازوں کو یہاں سے گزرنا ہی پڑتا ہے کسٹم اور تلاشی کے لئے پورٹ سعید ہے یہیں کرایہ وصول کیا جاتا ہے اور دنیا کا کوئی ملک اپنے باربرداری یا مسافروں کے جہاز کو مصر کی اجازت کے بغیر نہیں گزار سکتا۔ اسی لئے دنیا میں تجارتی اور فوجی دونوں ہی نقطہ نگاہ سے نہر سوئز کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ ص٦١) جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدفن ہے اس مناسبت سے اسے غزہ ہاشم بھی کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور دیگر بہت سے اہل علم کا مولد ہے امام شافعی نے غزہ کی یاد میں مندرجہ ذیل قطعہ کہا ہے۔

وانی لمشتاق الی ارض غزة	وان خاننی بعد التفرق کتمانی
سقی اللہ ارضا لو ظفرت بتربها	کحلت به من شدة الشوق اجفانی

انگریزوں نے اسرائیلیوں کا اسٹیٹ قائم کرایا اور بڑھا کر "عریش" تک لے آئے تاکہ اسرائیلیوں کے واسطہ سے انگریزوں کا اقتدار نہر سوئز پر قائم ہو سکے۔ سوئز کینال کے کنارے ایک بڑا اسٹیشن بنا ہوا ہے۔ جس میں دفاتر وغیرہ کے لئے بڑے بڑے کمرے ہیں اور سامنے کھلا ہوا صحن ہے بسیں اور موٹریں اسی صحن میں لا کر کھڑی کی جاتی ہیں۔ ہر دو گھنٹے بعد تھوڑی دیر کے لئے جہازوں کی آمد و رفت روک دی جاتی ہے۔ اور یہ پورا دفتر اپنے صحن، دفاتر، کمروں اور سامنے کھڑی ہوئی بسوں کے ساتھ نہر سوئز میں اس طرف سے اس طرف چلا جاتا ہے۔ گویا یہ چلتی پھرتی گودیاں ہیں۔ ایسا ہی ہوا اور بسیں نہر کے دوسری جانب جا کر خشکی میں اتر گئیں۔ مندوبین کا قافلہ یہاں سے آگے بڑھا۔ تقریباً چالیس میل جانے کے بعد "وادی سینا" شروع ہو گئی اور فلسطین کا ارض مقدس آگیا۔ یہ وادی تقریباً پانچ سو میل لمبی ہے۔ اسی ارض مقدس سے سیکڑوں انبیاء بنی اسرائیل اٹھے اور ہدایت پھیلائی۔ اور یہی وہ "وادی سینا" ہے جہاں سے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گذر ہوا تھا۔ اور سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو "فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی"[1] کا حکم دیا گیا اور اسی وادی کے کنارے "طور" کا وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ نے پروردگار عالم کو دیکھنے کی خواہش کی لیکن جب تجلی ربانی سامنے آئی تو تاب دیدار نہ لا سکے پہاڑ ریزہ ریزہ ہوا اور حضرت موسیٰ بیہوش ہو کر گر گئے[2] "مقام الٰہی" اور "الواح وحی" لانے کیلئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو

---

[1] ترجمہ:۔ آپ اپنے جوتے اتار دیں۔ آپ طویٰ کی پاک وادی میں ہیں۔ [2] ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا۔ فلما افاق قال سبحٰنک تبت الیک وانا اول المومنین۔ [ط ـ ۱۴۳]

اسی وادی سے گذرنا پڑا تھا۔ اور یہی وہ ریگستان ہے جس سے اسلامی لشکر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ المتوفی ۴۳ھ کی قیادت میں گذر کر مصر فتح کرنے پہنچا تھا۔ اس وادی کے دو حصے ہیں۔ نشیبی حصہ تو بالکل ریگستان ہے اور بالائی حصہ ایک حد تک سرسبز و شاداب ہے۔ مندوبین کا قافلہ آگے بڑھا۔ ریگستان کا حصہ ختم ہوا اور شہر "عریش" میں داخل ہوئے۔ یہ شہر کافی بڑا اور بارونق ہے اس کے بعد مصر کا آخری شہر "غزہ" آیا۔ یہی شہر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مولد ہے اور یہیں سے امام موصوف دو سال کی عمر میں مکہ معظمہ اپنے والدین کے ساتھ تشریف لے گئے۔ چند سال پہلے اسرائیلیوں نے "عریش" تک اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ مصر نے سوئز کی حالیہ جنگ کے موقع پر یہودیوں کو پیچھے ڈھکیلا اور مصر کی قدیم سرحد "غزہ" تک دوبارہ قبضہ کیا۔ غزہ شاندار شہر ہے اور یہاں یہودیوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے تقریباً پونے تین لاکھ فلسطینی مسلمان پناہ گزین ہیں۔

غزہ میں مندوبین کو ساتھ لے کر خاصہ جلسہ منعقد کیا گیا۔ فلسطینی عربوں نے جلسہ گاہ کو مخالف اسرائیل کتبوں سے سجا رکھا تھا۔ خوب خوب تقریریں ہوئیں۔ عربوں نے یہودیوں کے مظالم بڑی فصاحت و بلاغت سے بیان کئے۔ خطابت کے جوہر دکھلائے۔ اور واقعۃً صحیح معنوں میں آگ لگانے والی تقریریں کیں۔ آخر میں غزہ کے گورنر بولے۔ فوجی لباس میں آئے اور اپنی جوشیلی تقریر سے لوگوں کے دلوں کو ہلا دیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا کہ آپ حضرات دنیا کے مختلف ملکوں سے آئے ہیں۔ آپ نے اپنے اپنے ملکوں میں روپے پیسے کی چوری سنی ہوگی۔ مال و اسباب کا سرقہ دیکھا ہوگا لیکن ہمارے عرب میں ایک قوم ایسی ہے جو ملک کی چور ہے۔

اس جانب جو یہودی ہیں انہوں نے ہمارا ملک چرایا تھا۔ جسے ہم نے ان کے حلق سے نکالا ہے۔ لیکن اب بھی وہ ہمارے ملک کا کافی حصہ چرائے بیٹھے ہیں۔ اور انشاء اللہ اسے بھی ہم ان سے واپس لے کر رہیں گے۔ ہماری فوجیں سرحد پر تیار کھڑی ہیں ہم صرف حکم کے منتظر ہیں۔ جس وقت بھی حکم ہوگا۔ ملک کے ان چوروں کو ان کی جرأت بے جا کا مزہ چکھا دیا جائے گا۔ اس جلسے میں یہودیوں کے مظالم اور عرب ملک کے ایک حصہ پر ناجائز قبضہ کے خلاف تجویز منظور کی گئی جس میں یہ بھی کہا گیا کہ زمانہ قدیم سے پورا فلسطین عربوں کا ملک ہے عرب ہی اس کے حقدار ہیں۔ اور ہم اسے لے کر رہیں گے۔ اس تجویز پر مختلف ملکوں سے آئے ہوئے علماء کے دستخط کرائے گئے ہیں۔ جلسہ کے بعد مندوبین موتمر پھر بسوں میں بیٹھ کر سرحد پر پہنچے۔ یہاں پرتغال (موسمی) کے بڑے باغ کے پاس اُترے۔ یہ باغ کچھ اونچائی پر تھا۔ اور چھ سات فیٹ اونچے موسمی کے سرسبز و شاداب درختوں سے بھرا ہوا اور ہر درخت چھوٹے بڑے پیلے پیلے پھلوں سے لدا ہوا۔ باغ میں جابجا میزیں رکھ دی گئی تھیں۔ اور اس پر موسمبیاں سجی ہوئیں جس کا دل چاہے کھائے۔ اسی باغ سے مصر اور اسرائیل کی سرحد کا پورا منظر معلوم ہوتا ہے۔ یہودیوں کے مکانات صاف نظر آرہے تھے۔ اس طرف مصری فوجیں اور اس طرف اسرائیل کی فوجیں کھڑی تھیں۔ درمیان میں اقوام متحدہ کی فوج کے کیمپ تھے۔ غزہ کا سفر ختم ہوا۔ اور ۱۸ مارچ کی شب میں ساڑھے تین بجے مندوبین قاہرہ واپس ہوئے۔

۱۸ مارچ کی شام کو موتمر کا اجلاس ہوا جس میں بعض مقامات پر مناقشہ کا

سلسلہ جاری رہا۔ آج ہی مسٹر عبدالحکیم ڈائرکٹر تعلیمات قاہرہ بڑے اصرار سے اپنے یہاں لے گئے۔ موصوف ہی اجلاس موتمر کے دفتری ذمہ دار ہیں۔ موتمر کے بارے میں بار بار کی بے جا مداخلت کے باعث ان سے اچھی ملاقات ہوگئی تھی انگریزی بھی بول لیتے ہیں۔ لندن، جینوا، ماسکو اور جاپان وغیرہ کے سفر کر چکے ہیں۔ نیل کے اس جانب حکومت مصر نے بڑی تعداد میں مکانات (کوارٹرس) بنوائے ہیں۔ چوبیس سال کی قسطوں پر حکومت کے کارکنوں کو دیئے گئے ہیں اسی میں ایک مکان عبدالحکیم صاحب موصوف کا بھی ہے۔ مکان کا کیا کہنا۔ جدید طرز تعمیر کا اعلیٰ نمونہ اور عمدہ فرنیچر اور ساز وسامان سے سجا ہوا۔ تین کمرے نیچے اور تین کمرے اوپر۔ عبدالحکیم صاحب اور ان کا رہن سہن قطعاً مغربی۔ لیکن مہمان نوازی میں کٹر مشرقی۔ میں نے عموماً مصر کے لوگوں کو خلیق اور مہمان نواز پایا۔ اور عربوں کی مہمان نوازی سے کون انکار کرسکتا ہے۔ تاریخ ان کی مہمان نوازی پر شاہد ہے۔ اور آج بھی عرب ممالک میں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں ملنے جلنے کے متفرق مواقع اور باہمی تعلقات کے ہر موڑ کے لئے الفاظ موجود ہیں۔ جب کوئی ملنے والا آئے گا تو اہلاً وسہلاً کہہ کر اس کا خیر مقدم کریں گے۔ اس کے آنے پر مبارک باد دیں گے۔ بار بار "کیف الحال" کہہ کر خیریت پوچھیں گے۔ اُسے یقین دلائیں گے کہ تم تو اپنے گھر ہی میں آئے ہو۔ جب بھی ملاقات ہوگی مزاج پرسی کریں گے۔ ہوٹل کا خانساماں بھی جب صبح کی چائے لے کر آتا ہے تو "السلام علیکم" کہہ کر دعا دیتا ہے۔ "صباح الخیر" کے جملے کے ذریعہ خیریت دریافت کرتا ہے۔ اگر آپ نے کوئی چیز دی یا کوئی کام کردیا تو "شکراً" کہہ کر شکریہ

ادا کریں گے۔ اور اگر آپ نے کسی بات پر "شکراً" کہا تو "العفو" کے لفظ سے
اس کا جواب دیں گے۔ اگر آپ نے پانی پیا تو "هنیئاً" کہیں گے اور نئے کپڑے
پہنے جب بھی اس کے مناسب دعائیہ جملہ استعمال کریں گے۔ غرض ہر موقع کے لئے
عربوں کی زبان میں الفاظ و جملے موجود ہیں جنہیں وہ برابر استعمال کرتے ہیں۔ اور
جن سے محبت و تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسافر عربوں میں پہنچ کر اپنے کو
اجنبی محسوس نہیں کرتا۔ ہمارے میزبان عبدالحکیم صاحب سرتاپا مغربی ہونے کے
باوجود عرب اخلاق کا کامل نمونہ ہیں۔ ہمیں کھانے کی میز پر لے گئے انواع واقسام
کی چیزیں جمع کر دیں۔ وہ بھی اتنی مقدار میں کہ دس پندرہ آدمیوں کے لئے کافی ہو
مختلف قسم کے کیک۔ کئی طرح کے کلیجے، متعدد قسموں کے پھل اور غالباً میدہ کی بنی
ہوئی ایک چیز ضخامت میں پتلی انگلیوں کے برابر اور ہاتھ ہاتھ بھر لمبی کرکری
اور لذیذ جسے مصر میں "عصا" (لاٹھی) کہتے ہیں۔ بڑے اصرار سے کھلایا اور اس قدر
کھلایا کہ کھانا کھانے کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ میں نے اس کھانے والے عصا کو ہاتھ
میں لے کر قرآن مجید کی وہ آیتیں پڑھیں جن میں 'عصا' کا لفظ آیا ہے۔ بہت
محظوظ ہوئے۔

مغرب کے بعد وہ اپنے اکلوتے بیٹے "احمد دین" کو لائے۔ سات سال عمر
ہوگی۔ ان کی دونوں بچیاں بھی آئیں۔ بڑی کا نام "هبة الله" ہے میں نے
وجہ تسمیہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ اس بچی کی پیدائش سے تین چار دن پہلے اس کی ماں نے
خواب دیکھا کہ اوپر سے کسی نے ایک بچی لاکر میری گود میں ڈال دی۔ اور پھر لے کر
اوپر چلی گئی۔ خواب ہی میں اس کی ماں نے پوچھا کہ یہ کون ہے آواز آئی "هبة الله"

اسی غیبی آواز پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔ ہم عبدالحکیم صاحب کے اخلاق، اور مہمان نوازی سے محظوظ و متاثر ہو کر واپس آئے۔ اس دعوت میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب اور ڈاکٹر عبدالکریم نمائندہ جاپان بھی شریک تھے۔

۱۸ مارچ کو میں اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کتابیں دیکھنے بازار گئے۔ مختلف مکتبوں میں گھنٹوں وقت صرف ہوا۔ مصر تو عربی کتابوں کا بادشاہ ہے۔ ہر فن پر نئی سے نئی کتابیں موجود ہیں۔ جس کتاب کو ہاتھ میں لیجئے بس دل چاہے گا کہ اسے ضرور خرید لینا چاہئے۔ لیکن پیسے کہاں، روپے پیسے کی مجبوری کا صحیح احساس مجھے مصر ہی میں ہوا۔ مصر کے مشہور کتب خانہ مکتبہ دارالعروبہ میں ایک اطلس (اٹلس) دیکھا یہ حال ہی میں طبع ہو کر آیا تھا۔ اور میری نظر میں اپنے طرز کی بالکل نئی چیز تھی۔ یہ اطلس نصف پونڈ مصری میں خریدا۔ اس اطلس میں سب سے پہلے مراقش سے ایران تک عالم اسلامی کا نقشہ دیا ہے اور پھر ساتویں صدی عیسوی سے بیسویں صدی عیسوی کے نصف تک ہر صدی کا علحدہ علحدہ نقشہ دے کر یہ تبلایا ہے کہ کس صدی میں اسلامی حکومت دنیا کے کن حصوں میں رہی اور کس صدی میں کون کون سے علاقے اسلامی حکومت سے نکلے اور کون سے داخل ہوئے۔ اس اطلس کے ذریعہ ۱۹۵۰ء تک کی اسلامی جغرافیائی تاریخ پورے شرح و بسط کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے۔ ہر صدی کے نقشہ کے ساتھ ایک معلوماتی فہرست بڑی دقت اور محنت کے ساتھ مرتب کی گئی ہے جس سے یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ یہ ملک یا علاقہ کس کے قبضہ میں تھا۔ اور کب مسلمانوں نے اسے فتح کیا اور کس کے ہاتھوں فتح ہوا۔ اسی طرح کون سا علاقہ کب تک مسلمانوں کی حکومت میں رہا اور پھر کب کن غیر مسلموں نے اس علاقہ کو مسلمانوں سے واپس لیا۔

یہ اطلس تاریخی لحاظ سے بہت قیمتی ہے۔ اس کے مصنف "دھاری دھازاد" (غالباً عیسائی) ہیں۔ اس کی تحقیق اور عربی زبان میں ترجمہ "ابراہیم ذکی خورشید" نے کیا ہے۔

۱۹ر مارچ کو "السد العالی" (اسوان بند) کا پروگرام تھا۔ ہم لوگ "شرکۃ الطیران العربیۃ المتحدہ" (متحدہ عرب کی ہوائی کمپنی) کے بوئنگ جیٹ جہاز سے روانہ ہوئے۔ "آسوان" قاہرہ سے نوسو کیلومیٹر ہے۔

سوا گھنٹے میں ہم لوگ اسوان کے ہوائی اڈہ پر پہنچے اور وہاں سے کاروں کے ذریعہ اسوان آئے کئی میل کا لمبا علاقہ۔ کلوں، مشینوں اور کارخانوں سے بھرا ہوا، تمام کارخانے، مشینیں اور کام کے طریقے ہمیں دکھلائے گئے۔ لیکن اسے ہم کیا سمجھتے، یہ تو انجینئروں کے سمجھنے کی چیز ہے۔ لیکن وہاں ایک جوان مصری انجینئر نے اس بند پر گھنٹہ سوا گھنٹہ تقریر کی اور ڈیم کا پورا منصوبہ اور اس کی تفصیلات بتلائیں۔ نیز اس سلسلے کے بہت سے مطبوعہ لٹریچر ہمارے حوالے کئے گئے۔ ان کے مطالعہ سے جو باتیں سمجھ میں آئیں وہ یہ ہیں :۔

اسوان میں بند دریائے نیل پر تعمیر کیا گیا ہے اور نیل کے رخ کو ایک خاص سمت میں تبدیل کر کے زیادہ کارآمد بنانے کی کوشش ہے۔

یوں تو اس منصوبہ کی تکمیل میں مدد لینے کے لئے مختلف ممالک نے پیش کش کی لیکن مصر نے روس کی پیش کش کو قبول کیا۔ اس لئے کہ اس کی شرطیں مصر کے حق میں زیادہ مفید ہیں۔ روس نے اس منصوبہ کیلئے سامان اور مشینوں کے علاوہ انجینئر اور ماہرین کی بڑی تعداد بھی بھیجی اور تمام کاموں کی نگرانی کے فرائض ایک عرب اور ایک روسی ماہر نے انجام دیئے۔ اس بند میں

ایک کھرب تیس ارب مکعب میٹر پانی جمع ہوگا۔ پہلے دریائے نیل کا تقریباً پچاس ارب مکعب میٹر پانی ہر سال استعمال ہوتا تھا۔ باقی ماندہ پانی بحیرہ روم میں ضائع ہو جایا کرتا تھا۔ لیکن اب دو لاکھ اسی ہزار ایکڑ زمین کی آبپاشی کے علاوہ مزید پانچ لاکھ بیس ہزار ایکڑ الاضی کو پہلی مرتبہ سیراب کیا جا سکے گا۔

اس منصوبے کی تعمیر میں تیس ہزار کام کرنے والے حصہ لے رہے ہیں۔ ان میں صرف روسی انجینئر اور ماہرین کی تعداد ایک ہزار آٹھ سو ہے۔

اب بند کے ساتھ جو بجلی گھر تعمیر کیا گیا ہے اس کی استعداد اکیس لاکھ کلوواٹ ہوگی جس سے ہر سال دس ارب کلوواٹ بجلی تیار ہوا کرے گی۔ اور اسے قاہرہ، اسکندریہ اور پورٹ سعید وغیرہ تک پہنچایا جائے گا۔ یہ بجلی گھر بھی ایک حیرت انگیز عمارت ہے، اس میں سرنگوں کے ذریعہ پانی پہنچانے کا نیا طریقہ استعمال کیا گیا ہے اس سے بجلی پیدا کرنے کے سوا اور بھی مفید کام لئے جا سکیں گے۔

اسوان بند گیارہ میٹر اونچا اور پانچ کیلومیٹر لمبا اور دنیا کا یہ پہلا عظیم الشان بند ہے۔ جس کی بنیاد ریت پر رکھی گئی ہے۔ اور غالباً دنیا کے عجائبات میں اس کا آٹھواں نمبر ہوگا۔ اسکیم کے مطابق اس بند کی تکمیل ۱۹۷۰ء میں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن اب تک کام کی جو رفتار رہی ہے، اس نے یقین دلا دیا کہ یہ منصوبہ مقررہ مدت سے ایک سال پہلے ہی پورا ہو جائے گا۔ تعمیر کا پہلا مرحلہ پورا ہو چکا اور ۱۲ مئی ۱۹۶۴ء کو اس عظیم بند کا افتتاح بھی کر دیا گیا۔ لیکن اگر خود مصریوں میں ایسے عظیم الشان بند کے کارآمد اور برقرار رکھنے کی صلاحیت موجود نہ ہو تو منصوبہ کی افادیت مشتبہ ہو کر رہ جاتی

ہے اس لئے مصری شہریوں کو اسے برقرار رکھنے کی تربیت کا سلسلہ بھی جاری ہے چنانچہ اب تک ساڑھے چھ ہزار مصری تربیت پا چکے ہیں۔ ان میں زمین کو برمانے والے ایک ہزار ہیں۔ ویلڈنگ کرنے والے چھ سو پچاس۔ انجن چلانے والے بارہ سو فرساڑھے تیرہ سو۔ اور ڈرائیوروں کی تعداد گیارہ سو پچاس ہے۔ اسوان بند اور مختلف کارخانے دیکھتے ہوئے ہم لوگ مزدوروں کے "مطعم" (ہوٹل یا ڈائننگ ہال) آئے۔ یہ عالی شان دو منزلہ عمارت ہے۔ اوپر نیچے بڑے بڑے ہال۔ اس میں ٹیبل کرسیوں پر مزدوروں کے کھانے کا نظم ہے۔ ہال کے دونوں طرف درجنوں غسل خانے بنے ہوئے ہیں۔ اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے بیسن لگے ہوئے ہیں۔ اسوان اب ایک صوبہ ہے لیکن صنعتی اور چھوٹے کارخانوں والا۔ اس صوبہ کی ایک خاص اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ اس کا پورا نظم انجنیئروں کے ہاتھ میں ہے۔ گورنر سے لے کر ایس۔ ڈی۔ او۔ تک اور مختلف محکموں کے تمام اعلیٰ افیسر انجنیئر ہیں جو صنعتوں اور کارخانوں کی ضروریات کو پوری طرح سمجھتے ہیں۔ اور صوبہ کے نظم کو صنعتی اور مشینی تقاضوں کے تحت چلاتے ہیں۔

آج دن کے کھانے کی دعوت گورنر "اسوان" کی طرف سے بھی تھی جہاں کھانا کھلایا گیا یہ افسروں کا مطعم ہے اور نیل کے کنارے واقع ہے۔ اور اپنی ساخت کا انوکھا اور ہر طرف سے کھلا ہوا۔ زیادہ حصے میں شیشے کی دیواریں یہ دو منزلہ عمارت تفریح کی بہترین جگہ ہے۔ کھانے میں آج پہلی مرتبہ، سادہ موٹے چاول، شوربہ اس میں مٹر اور کلیجی پڑی ہوئی سامنے آئے۔ اس کے علاوہ بقیہ کھانے فرانسیسی طریقے کے ہم لوگوں نے یہیں ظہر کی نماز جماعت سے پڑھی۔ نماز

بعدۃ الشیخ نعیم النعیمی المفتش بوزارۃ الاوقاف عملیۃ قسنطینیۃ (الجزائر) تشریف لائے، تعارف و ملاقات ہوئی۔ انہوں نے مجھ سے ہندوستان کے تعلیمی حالات پوچھے۔ میری سند حدیث معلوم کی، وہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اوپر واقف تھے، پھر انہوں نے مسلسلات کے بارے میں دریافت کیا اور مجھ سے حدیث کی اجازت چاہی۔ میں نے تبرکاً۔ حدیث "انما الاعمال بالنیات" الی آخرہ پڑھی اور اجازت دی۔ ریش و بروت سے یہاں بھی کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم لوگ ہوائی اڈہ آئے اور مغرب سے پہلے پہلے قاہرہ پہنچ گئے۔

۲۰ مارچ کو "طنطا" میں جمعہ پڑھنے کا پروگرام تھا۔ میں نہیں گیا۔ میں نے آج ازہر دیکھنے کا پروگرام بنایا۔ شیخ لقمان الہندی میرے ساتھ ہیں۔ یہ الہ آباد کے رہنے والے ہیں۔ مرشد آباد (بنگال) میں شادی کی۔ تقریباً تیس سال سے قاہرہ میں مقیم ہیں۔ قاہرہ یونیورسٹی میں اردو زبان کے استاد (لیکچرار) ہیں اور ازہر یونیورسٹی میں پڑھنے اور رہنے والے ہندوستانی طلبہ کے نگراں ہیں۔ اور "شیخ رواق الهنود" کہلاتے ہیں یعنی ہندوستانی طلبہ کے دارالاقامہ کے نگراں عرب میں ہندوستان کے باشندوں کو ھنود کہتے ہیں۔

مصر میں تعلیمی نظام چار حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ الابتدائیہ (پرائمری) الاعدادیہ (مڈل) الثانویہ (سکنڈری) الکلیہ (اعلیٰ)۔

ثانوی تعلیم تک پورے ملک کا نصاب تقریباً ایک ہی ہے جس میں حساب جغرافیہ، تاریخ، سائنس، عربی ادب وغیرہ کے علاوہ ہر مرحلہ میں دینی تعلیم بھی لازمی ہے۔

اور اس سے کوئی پڑھنے والا مستثنیٰ نہیں ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، دینی تعلیم حسب ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ قرآن مجید — ہر سال پانچ بڑی سورتوں کا حفظ کرنا اور پانچ پاروں کی تلاوت۔

۲۔ منتخب آیات کی شرح و تفسیر۔

۳۔ ہر سال بیس حدیثوں کا زبانی یاد کرنا۔ اور ان کے مطالب کو ذہن نشین کرنا۔

۴۔ فقہ میں بنیادی عبادات کا درس۔

۵۔ عقائد میں اسلام کے بنیادی عقائد کا درس اور اس پر لکچر۔

دینی تعلیم کے پرچوں کا امتحان اسی اہمیت سے ہوتا ہے جس طرح دوسرے موضوع کے پرچوں کا لیکن مڈل اور ہائی اسکول کے آخری سالوں کا امتحان جسے "امتحان الشہادۃ" کہتے ہیں اور جس میں طالب علم کو سند ملتی ہے۔ دین کا مضمون پڑھایا تو جاتا ہے مگر اس کا امتحان نہیں ہوتا۔ اب ان درجوں میں بھی اس کے امتحان کی کوشش کی جارہی ہے۔ جہاں تک حفظ قرآن کا سوال ہے ازہر یونیورسٹی کے ہر طالب علم کو قرآن زبانی یاد کرنا پڑتا ہے یعنی اسے حافظ بننا پڑتا ہے۔ بقیہ یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے حفظ قرآن لازمی نہیں ہے لیکن اگر وہ قرآن مجید یاد کرلیں تو وزارت اوقاف انہیں اسکالرشپ اور انعام دیتی ہے۔

مصر میں سنہ ۱۹۶۲ء تک ابتدائی، مڈل، اور ہائی اسکول تک کی تعلیم مفت تھی اور ہر طالب علم کو کتابیں۔ اور کاپیاں بھی وزارت تعلیم ہی کی طرف سے دی جاتی تھیں۔

اس نظم کو باقی رکھتے ہوئے ۱۹۶۱ء سے کالج تک کی تعلیم مفت کر دی گئی ہے شاید ایشیا اور افریقہ میں چین کے بعد مصر ہی تنہا ملک ہے جہاں یونیورسیٹی تک کی تعلیم مفت ہے۔

مصر کے ہر اسکول و کالج میں طلبہ کو فوجی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ مگر یہ مضمون اختیاری ہے لیکن ہر مصری مرد جب کی عمر اکیس سال سے ۲۹ سال تک ہے اس کے لئے فوجی مرکز میں جاکر تعلیم حاصل کرنا لازمی ہے۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

۱۔ غیر تعلیم یافتہ مصریوں پر تین سال کی فوجی تعلیم لازمی ہے۔

۲۔ ہائی اسکول پاس شدہ مصری پر ڈیڑھ سال کے لئے فوجی تعلیم لازمی ہے۔

۳۔ جو مصری حضرات کالج کا امتحان پاس کر چکے ہیں۔ ان کے لئے لازمی فوجی تعلیم کی مدت ایک سال ہے۔ اس قاعدے سے کوئی مصری مرد مستثنیٰ نہیں ہے۔

یوں تو مصر میں متعدد یونیورسٹیاں ہیں لیکن "ازہر شریف" اپنی قدامت اور خصوصیات کے باعث ایک خاص مقام رکھتی ہے۔ آج سے ایک ہزار سال پہلے ۹۷۲ء مطابق ۳۶۱ھ میں فاطمی خلیفہ "معز لدین اللہ" کے غلام اور اعلیٰ فوجی افسر جوہر الکاتب الصقلی نے اس مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف منسوب کرتے ہوئے اس کا نام ازہر رکھا۔ اور اس کا نصب العین دینی تعلیم اور اسلامی تبلیغ مقرر کیا گیا۔

فاطمی عہد حکومت میں سلاطین و امراء نے اس ادارہ کے ساتھ ہر طرح کا

تعاون کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہ چھوٹا سا مدرسہ ایک عظیم ادارہ بن گیا۔ لیکن فاطمیین کے عہد حکومت تک ازہر میں صرف دینیات کی تعلیم ہوتی تھی۔ اور شیعی فقہ کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ مصر میں جب ایوبی حکومت قائم ہوئی تو سلطان صلاح الدین ایوبی نے مذاہب اربعہ کے مضمون کا اضافہ کیا۔ اور ساتھ ہی ساتھ ازہر کے نصاب تعلیم میں زبان، طب اور سائنس وغیرہ کو داخل کیا۔ اس اصلاح و انقلاب نے ازہر کی اہمیت بہت بڑھا دی اور صحیح معنی میں اسے یونیورسیٹی بنا دیا۔ پھر ۶۵۸ھ مطابق ۱۲۵۹ء میں "ظاہر بیبرس" کے زمانہ میں ازہر کو بہت فروغ ہوا اور وہ تشنگان علوم کا قبلہ و کعبہ بن گیا۔ مختلف بلاد اسلامیہ سے جوق در جوق طلبہ تحصیل علوم کے لئے ازہر آنے لگے نویں صدی ہجری میں مصر کے حالات میں تبدیلی آئی اور یہیں سے ازہر کے زوال وجمود کا دور شروع ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ جدید علوم اور مدنی فنون کی تعلیم ازہر میں بند کر دی گئی۔ اجتماعی معاملات ومسائل اور مدنی وثقافتی علوم سے ازہر کو کوئی تاسطہ نہ رہا اور مصر جیسے مسلمان ملک میں بھی اسلام کو صرف چند عبادات میں محصور کر دیا گیا۔ اور یہ یقین کر لیا گیا کہ انسانی زندگی کے بقیہ تمام گوشوں کو دین ومذہب سے کوئی واسطہ نہیں۔

ازہر نے ایک طویل عرصہ انہیں حالات میں گزارا۔ یہاں تک کہ شیخ جمال الدین افغانی کی اصلاحی تحریک کا دور آیا۔ شیخ موصوف۔ ان کے رفقاء اور شاگردوں کی بے پناہ کوششیں بارآور ہوئیں اور ۱۸۷۲ء مطابق ۱۲۸۹ھ میں ازہر کے لئے متعدد ضابطے بنائے گئے اور مختلف

علوم و فنون میں سندیں اور ڈگریاں حاصل کرنے کا نظم ہوا۔ پھر انیسویں صدی عیسوی کے آخری زمانہ سے حکومت مصر ازہر کے تعلیمی، مالی، اور تنظیمی کاموں میں دخیل بننے لگی۔ چنانچہ سنہ ۱۹۳۰ء میں حکومت مصر نے ازہر کے لیے مستقل قانون بنایا۔ جس کی روشنی میں "كلية اللغة العربية" "كلية الشريعة" "كلية اصول الدين" یہ تین اہم کالج کھولے گئے۔ جولائی ۱۹۶۱ء تک ازہر کا یہی نظام جاری رہا۔ سنہ ۱۹۶۱ء میں حکومت مصر نے ازہر کے لئے نیا تنظیمی خاکہ مرتب کیا ہے۔ اس کے تحت ازہر کے نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اسی جدید منصوبہ کے تحت دوسرے مختلف کالجوں کے ساتھ "كلية البنات" بھی کھولا جائے گا۔ جس میں اساتذہ بھی صرف عورتیں ہوں گی۔

جامع ازہر کا شیخ، وقت کا سب سے بڑا عالم اور پورے ملک کا پیشوا ہوا کرتا تھا اور اس کے فیصلوں کے سامنے حکومت کو بھی جھکنا پڑتا تھا یہی جامع کی اعلیٰ کونسل اور دوسری تمام اعلیٰ مجلسوں کی صدارت کرتا تھا لیکن انقلاب حکومت اور مصر میں مغربی تہذیب کے استیلاء نے شیخ الازہر کی سابقہ اہمیت میں نمایاں فرق پیدا کر دیا۔ اور ہمارا اندازہ یہ ہے کہ اب شیخ الازہر کی عظمت و اہمیت میں برابر کمی ہی آتی جائے گی۔ میرے مصر پہنچنے سے پہلے شیخ الازہر شیخ شلتوت کا وصال ہو چکا تھا۔ اور کچھ عرصہ سے یہ جگہ خالی تھی۔ مئی سنہ ۱۹۶۴ء میں شیخ حسنین محمد مخلوف کا تقرر عمل میں آیا ہے۔

جامع ازہر کا کتب خانہ بھی قابل دید ہے۔ سنہ ۱۸۹۷ء میں دار الکتب الازہریۃ الکبریٰ "(کتب خانہ جامع ازہر) قائم کیا گیا۔ اور اس وقت

تقریباً ایک لاکھ نایاب، قیمتی اور زندہ کتابیں موجود ہیں۔

۲۰ر مارچ کو میں شیخ لقمان کے ساتھ سب سے پہلے "مدینۃ البعوث الاسلامیہ" گیا۔ یہ ازہری طلبہ کے رہنے کا علاقہ ہے۔ جس نے ایک چھوٹے سے شہر کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ یہاں طلبہ کے رہنے کے لئے اکتالیس بورڈنگ ہیں۔ اور ہر بورڈنگ چار منزلہ ہے پہلی منزل میں ہوٹل، دکانیں، ڈرامے کے ہال ٹیلیویژن کے کمرے، لانڈری۔ سیلون وغیرہ ہیں۔ اوپر کی تین منزلوں میں طلبہ رہتے ہیں۔ ہر منزل میں بیس کمرے ہیں۔ ہر کمرے میں دو طالب علموں کے رہنے کی سیٹیں ہیں۔ کسی کمرے میں دروازہ نہیں ہے۔ طلبہ نے بطور خود کہیں کمبل اور کہیں کپڑے کا پردہ ڈال رکھا ہے۔ ہر کمرے میں پلنگ، الماری، کرسی اور میز ہے۔ بورڈنگ کا انداز فوجی بارکوں جیسا ہے۔ یہ بھی سننے میں آیا کہ مدینۃ الازہر کے بن جانے کے بعد یہ سارے بورڈنگ فوج کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔ ہر منزل میں غسل خانے، پائخانے، اور پیشاب خانے بھی ہیں۔ لیکن بیٹھ کر پیشاب کرنے کی جگہ نہیں ہے۔ پائخانے کے پین (قدمچے) بھی استقبال و استدبار قبلہ کا خیال کئے بغیر بنائے گئے ہیں۔ یعنی اگر کوئی رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو پھر یا تو اس کا رخ قبلہ کی جانب ہوگا۔ یا اس کی پیٹھ قبلہ کی سمت ہوگی۔ اور یہ شاید اس لئے کہ پورا ملک مسلک شافعیؒ کا ماننے والا ہے۔ اور فقہ شافعیؒ میں استقبال و استدبار قبلہ کی کراہت میدان اور کھلی ہوئی جگہ میں ہے۔ مکانات میں نہیں اور احناف رفع حاجت کے وقت استقبال اور استدبار قبلہ کو ہر جگہ مکروہ بتلاتے ہیں یہ مدینہ "مدینۃ البعوث الاسلامیۃ" صرف ان طلبا کے لئے ہے

جو دنیا کے مختلف مسلم ممالک سے ازہر یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آتے ہیں۔ "مدینۃ البعوث" میں پانچ ہزار طلبہ کی گنجائش ہے۔ مگر اس وقت دوسرے ممالک کے طلبہ کے ساتھ بعض ضرورتوں کی بنیاد پر پانچ سو مصری طلبہ بھی رہتے ہیں اور بیرون ملک کے طلبہ کی خاصی تعداد "مدینۃ البعوث" سے باہر رہتی ہے۔ حکومت ملایا نے اپنے یہاں کے طلبہ کے لئے قاہرہ میں علحدہ ہوسٹل تعمیر کر لیا ہے۔ انڈونیشیا اور ملایا کے طلبہ کی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے اور اس وقت وہاں ہندوستانی طلبہ ساٹھ کی تعداد میں ہیں۔ پاکستان سے آئے ہوئے طالب علم صرف چار یا پانچ ہیں۔ مصری حضرات اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ پاکستان میں عربی پڑھنے والوں کو بہت حقیر سمجھا جاتا ہے

آج جمعہ کا دن تھا۔ صبح ساڑھے گیارہ بجے تک کا وقت "مدینۃ البعوث" ہی میں صرف ہوا، وہاں سے ہم لوگ اس تاریخی مسجد میں آئے جو جامع ازہر کہلاتی ہے اور جہاں کچھ عرصہ پہلے تک درس ہوا کرتا تھا۔ مسجد کے صحن کے تینوں طرف سہ منزلہ مکانات بنے ہوئے ہیں۔ یہ مکانات بڑے بڑے کمروں کی شکل میں ہیں۔ جو مکان جس ملک نے بنوایا ہے اس کا نام مکان کے دروازے پر کندہ ہے "مدینۃ البعوث" کے بننے سے پہلے پہلے طلبہ انہیں کمروں میں رہا کرتے تھے۔ کوئی کمرہ ایسا نہ ہوگا جس میں تیس یا چالیس طلبہ نہ رہتے ہوں۔ ہر کمرے میں بڑی بڑی الماریاں ہیں۔ جن میں ہاتھ ہاتھ بھر لمبے چوڑے خانے ہیں۔ ایک خانہ ایک طالب علم کو ملتا ہے جس میں وہ اپنے کھانے کے برتن اور ضروری سامان رکھا کرتا تھا۔ اور مسجد کے دالانوں اور صحن میں ازہر کے شیوخ طلبہ کو درس دیا کرتے تھے۔ ترقی یافتہ دور نے
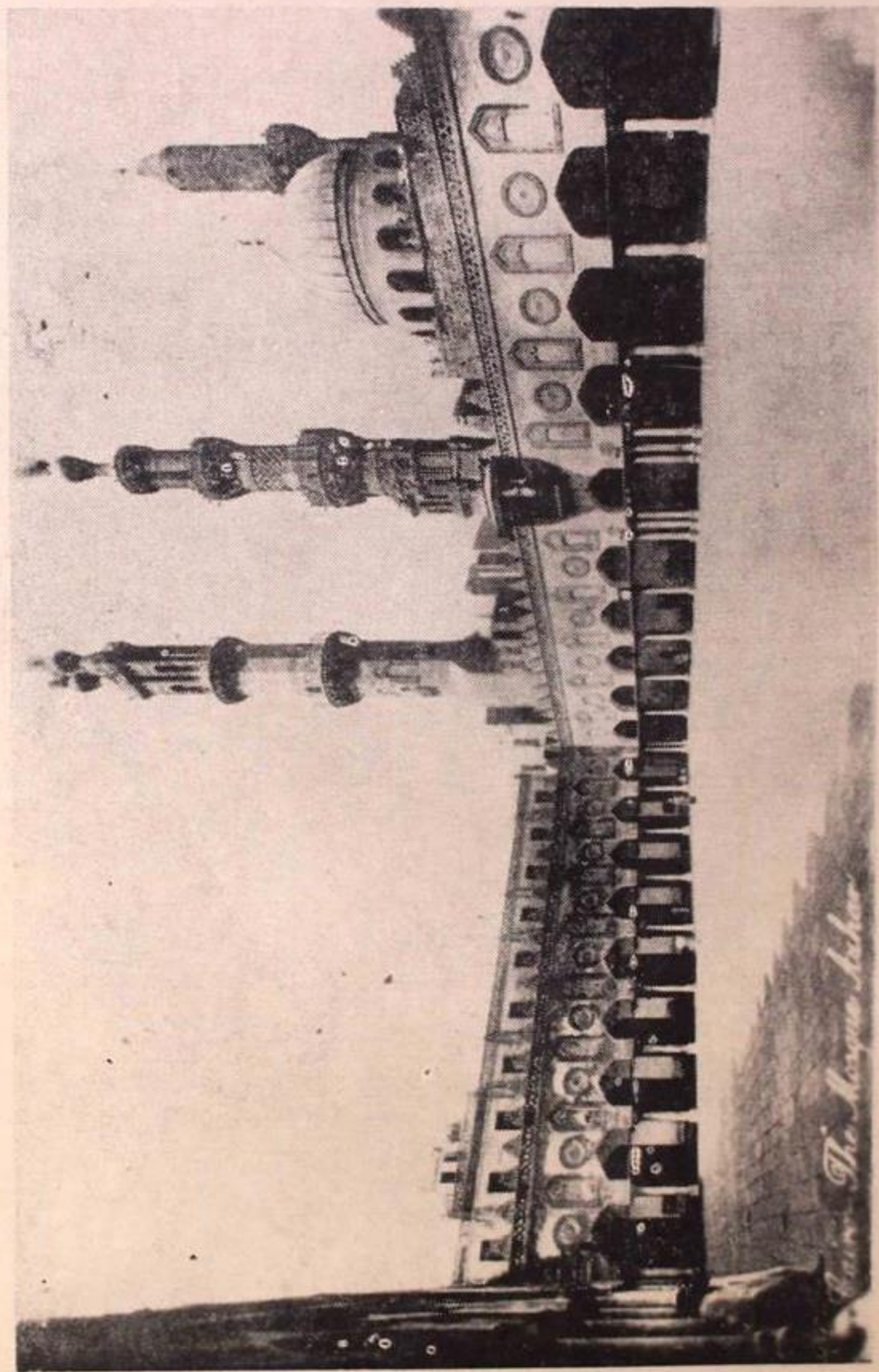
ازہر شریف کی تاریخی جامع مسجد
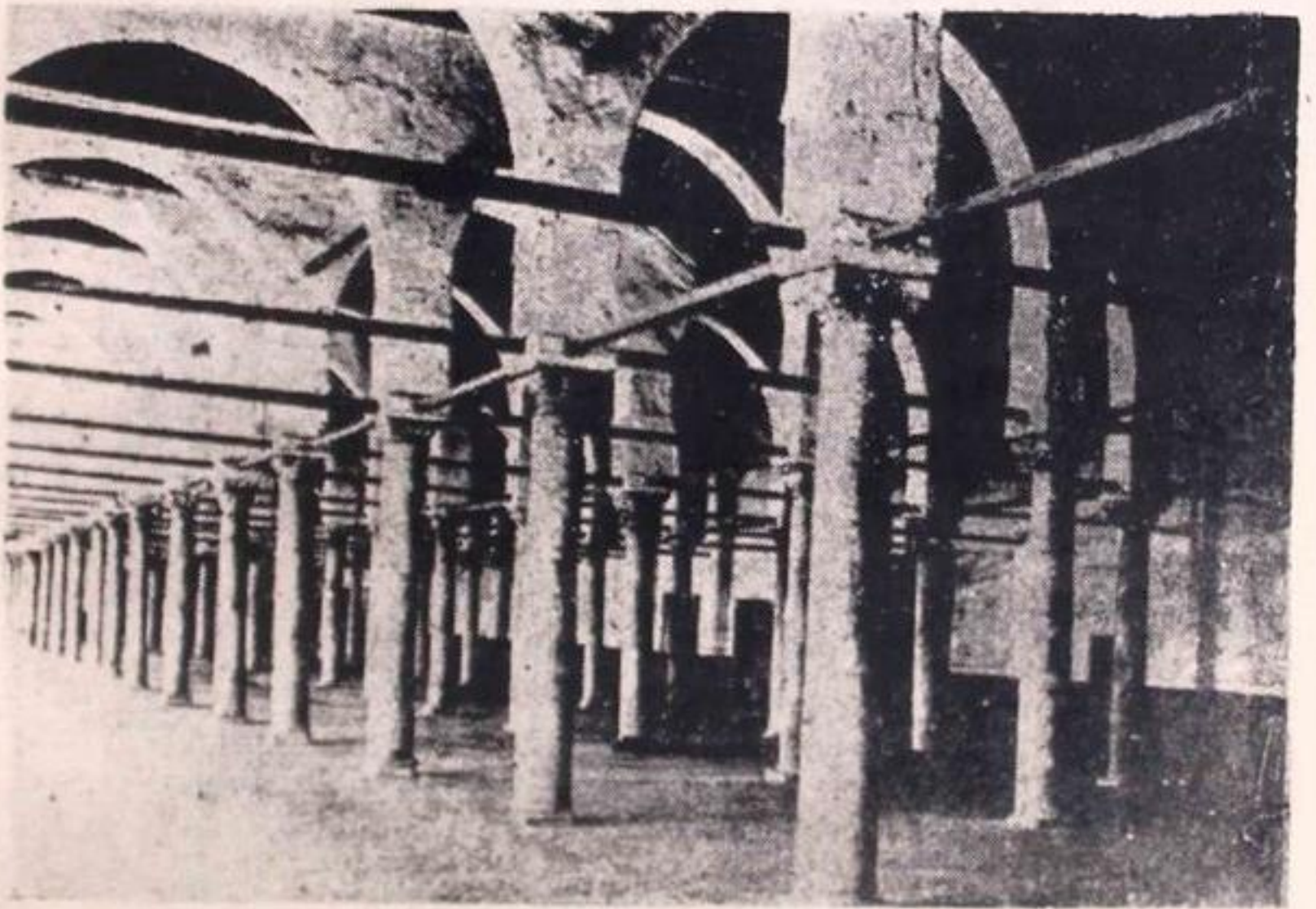
مسجد سیدنا عمرو بن العاص رضؓ فاتح مصر (پہلی صدی ہجری)

رہن سہن کے اس طریقہ کو حقیر اور تکلیف دہ بنا دیا تو مدینۃ البعوث کی فلک بوس عمارتیں تیار ہوئیں۔ اور اب وہ بھی ازہری طلبہ کے شایان شان باقی نہ رہیں۔ تو مدینۃ الازہر بنایا جا رہا ہے۔ جہاں جدید طرز کے اعلیٰ ترین دار الاقامے تعمیر ہوں گے اور جنہیں ہر قسم کے نئے ساز و سامان سے آراستہ کیا جائے گا۔ اور ازہر کے طلبہ مدینۃ البعوث سے مدینۃ الازہر منتقل ہو جائیں گے۔

ازہر یونیورسٹی میں پرائمری سے لے کر ڈاکٹریٹ تک کی تعلیم ہوتی ہے۔ ازہر میں پڑھنے والے طلبہ کی مجموعی تعداد اکتالیس ہزار ہے۔ جس میں پانچ ہزار کلیات (کالجوں) میں ہیں۔ باہر کے طلبہ جو مدارس ثانویہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں انہیں ازہر دس پاؤنڈ مصری ماہوار دیتا ہے اور کلیات کے طلبہ کو بارہ پونڈ ماہوار۔ اور وہ طلبہ جو مجستر یعنی ایم۔ اے کی تعلیم پا رہے ہیں یا کسی فن میں ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں انہیں ازہر سے پندرہ پاؤنڈ ماہوار ملتے ہیں۔ اگر مصری سکہ کا تبادلہ ہندوستانی سکہ سے بینک کے ذریعہ ہو تو ایک جنیہ مصریہ (مصری پونڈ) کے بدلے میں ہندوستانی سکہ دس روپیہ آٹھ آنے ملے گا۔ طلبہ کے ان وظائف سے ازہر پانچ پاؤنڈ ماہوار وضع کر لیتا ہے اور اس کے عوض بورڈنگ میں رہنے کی جگہ، صبح کا ناشتہ اور دونوں وقتوں کا کھانا، بجلی، پانی، ڈرامہ، ٹیلیویژن، اور کھیل وغیرہ کی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔

ازہر یونیورسٹی میں پانچ کلیات (کالج) ہیں۔

۱۔ کلیۃ اصول الدین جس کے تحت تفسیر و حدیث کی تعلیم ہوتی ہے۔

۲۔ کلیۃ الشریعۃ۔ اس میں فقہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور فقہ زیدی کی

تعلیم دی جاتی ہے۔

اس شعبہ کی تعلیم کے لئے ایک کتاب "کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعۃ" تیار کی گئی ہے جو مختلف حصوں میں تقسیم ہے کتاب میں ہر مسئلہ کا عنوان قائم کیا گیا ہے اور اس کے تحت مذکورہ بالا چاروں فقہ کا قول فیصل اور اس کی ضروری تفصیل درج کر دی گئی ہے کتاب اپنی جامعیت اور حسن ترتیب کے لحاظ سے قابل قدر ہی نہیں، قیمتی ہے جس کے مطالعہ سے بیک نظر چاروں مسلک سامنے آجاتے ہیں۔

۳۔ کلیۃ الدراسات العربیہ۔ اس کے ماتحت چار شعبے ہیں:۔

(الف) قسم اللغات جس میں لغت عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔

(ب) قسم الآداب یہ شعبہ تمثیلات پر مشتمل ہے جس میں ڈرامہ، فلم سازی اور ڈانس بھی داخل ہے۔

(ج) قسم التاریخ العامۃ

(د) قسم الجغرافیہ

۴۔ کلیۃ الاداء والمعاملات۔ یہ شعبہ اکاؤنٹس اور بک کیپنگ (ACCOUNTS AND BOOK KEEPING) کی تعلیم کے لئے ہے۔

۵۔ کلیہ البنات۔ یہ لڑکیوں کا کالج ہے جہاں انہیں لڑکوں سے بالکل علیحدہ تعلیم دی جاتی ہے۔ ازہر نے اس مقصد کے لئے قاہرہ سے پچیس میل دور "حلوان" نامی شہر میں مستقل کالج کھولا ہے اور آنے جانے کے لئے موٹربسوں کا نظم کیا ہے، اس زنانہ کالج میں ہندو پاک کے سوا تمام مسلم

ملکوں کی لڑکیاں پڑھ رہی ہیں۔

یہاں امتحانات کا نظام بالکل جداگانہ ہے۔ پرائمری اسکول سے ہائی اسکول تک سہ ماہی اور ششماہی امتحان نہیں ہوتا ہے صرف سالانہ امتحان ہوتا ہے اور اگر کسی کتاب میں طالب علم فیل ہو جائے تو اسے سال لوٹانا پڑتا ہے۔ اور یونیورسیٹیوں کے امتحانات کا نظام یہ ہے کہ تمام مضامین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور دونوں حصوں کے الگ الگ امتحانات ہوتے ہیں۔ پہلے حصے کو "الفترۃ الاولی" دوسرے کو "الفترۃ الثانیہ" کہتے ہیں، اولی کا امتحان جنوری میں اور ثانیہ کا مئی میں ہوتا ہے اور جن مضامین کا امتحان الفترۃ الاولی میں ہو چکا ہے اس کا پھر ثانیہ میں نہیں ہوتا ہے۔ اب اگر کوئی پڑھنے والا دونوں فتروں میں صرف دو مضامین میں ناکام ہو جائے تو اسے ترقی دے دیتے ہیں اس شرط پر کہ دوسرے سال پھر ان مضامین کا امتحان دیگا ورنہ سال لوٹانا پڑتا ہے۔

ازہر کے علاوہ مصر میں کئی اور بھی بڑی بڑی یونیورسیٹیاں ہیں۔ جن میں ادبیات کے علاوہ موجودہ دور کے تمام مروجہ علوم و فنون کی اطمینان بخش تعلیم ہوتی ہے۔ اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریہ متحدہ عرب نے علوم و فنون میں خودکفیل ہوتا جارہا ہے۔ جدید علوم کے کم ہی شعبے ایسے ہونگے جن کی اعلیٰ تعلیم کا بہتر انتظام مصر کی یونیورسیٹی میں نہ ہو۔

مصر کی یونیورسیٹیوں کے سلسلہ میں ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ عہد فراعنہ میں مصر کے دو تعلیمی مرکز تھے، ایک "عین شمس" دوسرا "اسیوط"

پھر یونانی عہد میں علم کا سب سے بڑا مرکز "اسکندریہ" قرار پایا۔ حکومت مصر نے عہد فراعنہ اور عہد یونانی کی ان علمی اور تاریخی یادگاروں کو باقی رکھتے ہوئے مذکورہ بالا تینوں قدیم علمی مراکز میں تین یونیورسٹیاں قائم کیں جامعۃ عین شمس" جامعۃ اسیوط" اور "جامعۃ الاسکندریہ" یہ تینوں یونیورسٹیاں نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کے اعتبار سے "جامعۃ القاہرہ" کی ہو بہو تصویریں ہیں۔ ان یونیورسٹیوں میں بھی تقریباً وہ سارے کلیات (کالج اور فیکلٹیز) موجود ہیں جو "جامعہ القاہرہ" میں ہیں۔

پھر مصر کے دارالسلطنت قاہرہ، اور کم و بیش مصر کے دوسرے تمام شہروں میں براہ راست وزارت التعلیم العالی کی نگرانی میں دسیوں کالج ہیں جن کا یونیورسیٹی سے کوئی تعلق نہیں، مگر ان میں نصاب تعلیم یونیورسیٹیوں کا رائج ہے۔

جہاں تک "جامعۃ القاہرہ" کا سوال ہے اس وقت یہ مصر کی سب سے بڑی اور مرکزی یونیورسیٹی ہے۔ اس کا قیام ۱۹۰۸ء میں عمل میں آیا۔ جامعہ القاہرہ میں عربی، انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، اردو، اور فارسی زبانوں کی تعلیم کا نظم ہے۔ تحقیقی طور پر تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن کہا جاتا ہے کہ اس وقت جامعہ القاہرہ میں طلبہ کی تعداد پینتیس ہزار سے بالا ہے۔ یہاں لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم مخلوط ہے لیکن طلبہ اور طالبات کے ہوسٹل الگ الگ ہیں۔ اس جگہ یہ بات بھی نوٹ کر لینی چاہیے کہ مصر میں پرائمری اسکول سے ہائی اسکول تک مخلوط تعلیم ممنوع ہے۔ ہاں ازہر یونیورسیٹی کے سوا تمام یونیورسیٹیوں کے کلیات میں تعلیم مخلوط ہوتی ہے۔ مصر میں اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والے

قاھرہ یونیورسٹی
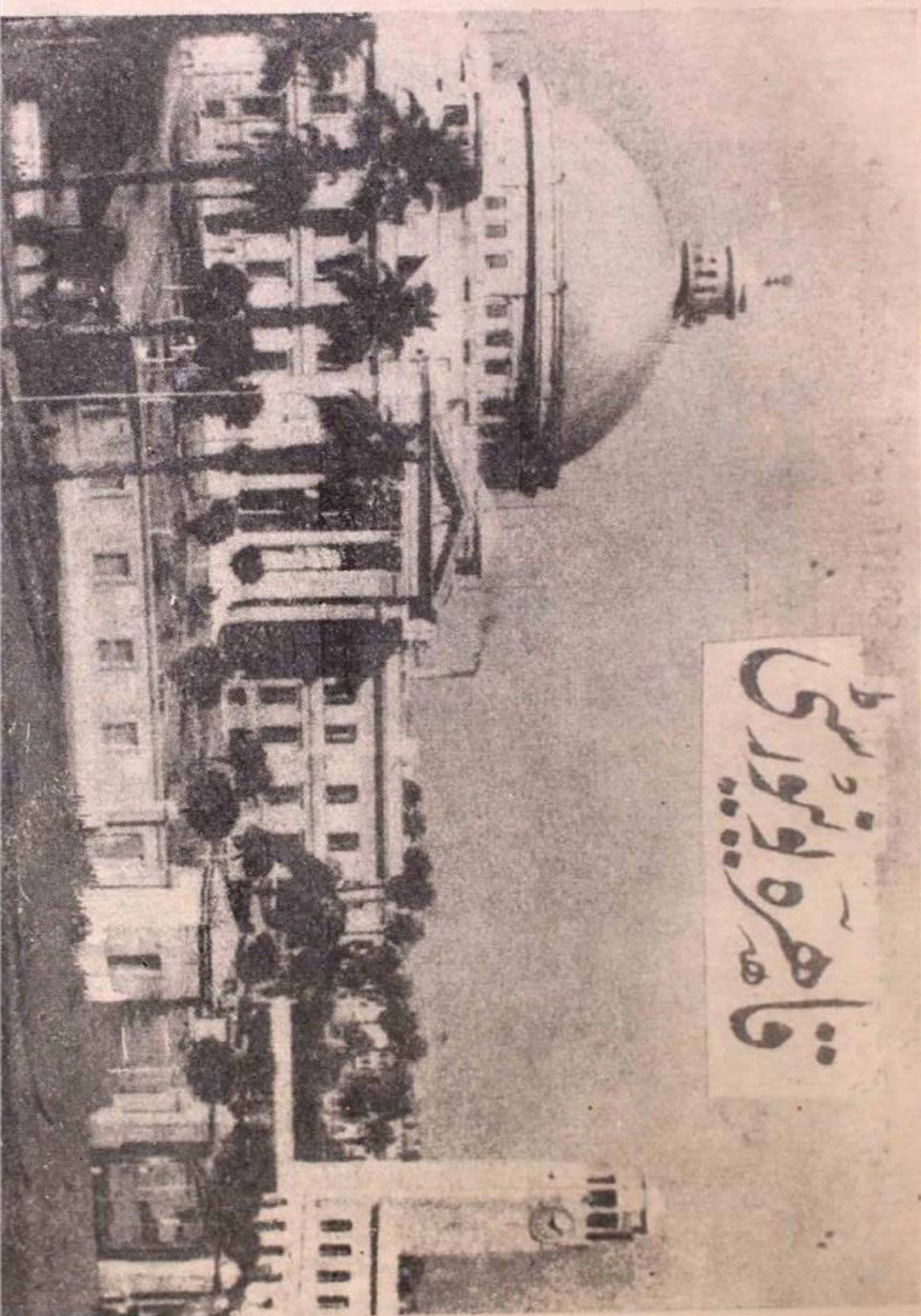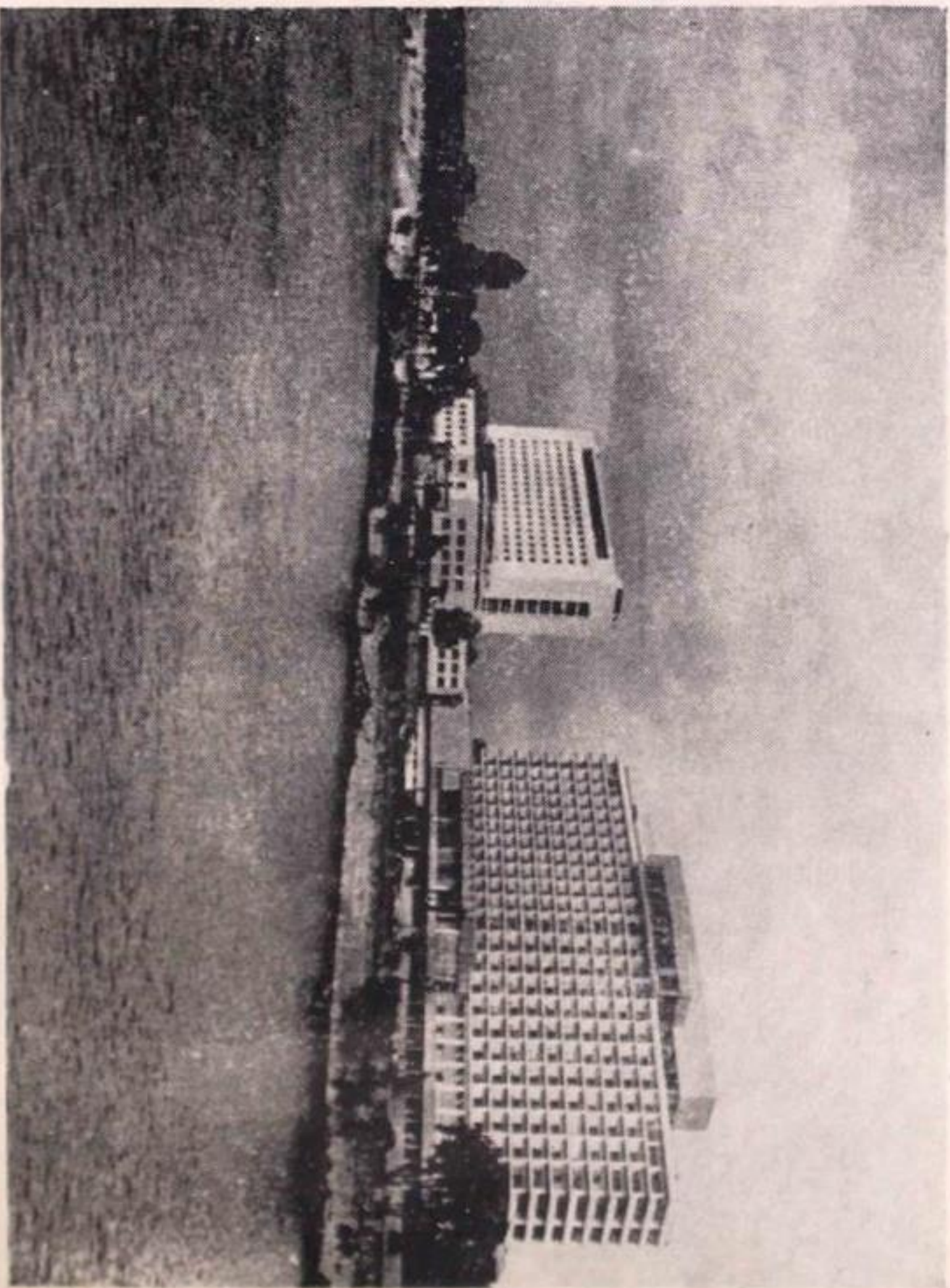
نیل کے ساحل پر مشہور ہوٹل ہیلٹون اور « مبنی محافظۃ القاہرۃ »

لڑکے اور لڑکیوں کے لباس تمام تر مغربی وضع قطع کے ہیں۔ اسکول کے بچے نیکر اور قمیص میں، بچیاں فراک اور اسکرٹ وغیرہ میں نظر آتی ہیں طلبہ پتلون کے ساتھ موسمی ہدایات کے تحت قمیص اور بش شرٹ استعمال کرتے ہیں۔ اور پرانے طلبہ عام طور سے پورے سوٹ میں ٹائی کے ساتھ ملبوس نظر آتے ہیں۔ اور کالجوں میں پڑھنے والی لڑکیاں عام طور سے یورپین عورتوں کی طرح نیم عریاں لباس میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ مصر کی قدیم چادر یا جالی دار نقاب اب صرف دیہی علاقے میں کچھ باقی ہے۔ پرانا عربی لباس، مساجد، مدارس یا پھر گھروں پر خالی اوقات میں استعمال ہوتا ہے اور یہ بھی بہت جلد قصۂ پارینہ اور تاریخ کے اوراق کے حوالہ ہو جائے گا۔ نظریہ یہ ہے کہ لڑکیوں میں بھی خود اعتمادی اور احساس ذمہ داری پیدا کی جائے۔ اس مقصد سے بھی لڑکیاں کالجوں میں تعلیم کے لئے بھیجی جاتی ہیں۔ اور نتیجہ کے طور پر پڑھنے کے بعد وہ مختلف شعبوں میں ملازمتیں اختیار کر کے خود اعتمادی اور ذمہ داری کے احساس کا ثبوت دیتی ہیں۔ آج آپ کو مصر میں وزارت سے لے کر ہوٹلوں اور ہوائی جہازوں میں بھی لڑکیاں کام کرتی ہوئی ملیں گی۔ لڑکیوں کے اندر ترقی پسندی کا رجحان ہماری اصطلاح اور زبان میں بے حجابی اور بے حیائی کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ مصر یورپ کی طرز زندگی کو پوری طرح قبول کر چکا ہے۔ بہت سے مسائل جو ہمارے یہاں کافی اہمیت رکھتے ہیں ان کا وہاں کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس طرز زندگی سے ان کے افکار و نظریات متاثر نہ ہوئے ہوں۔ یہ حالات اسکولوں کالجوں اور تعلیم یافتہ طبقے کے ہیں سب سے جامعے عوام جو

تقلید اور پیروی ہی کرنے کے عادی ہیں۔ ان کی زندگی ان حالات سے متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتی۔

طلبہ اور طالبات میں نظم و ضبط، ڈسپلن، اخوت، امداد باہمی اور شائستگی، عام طور پر پائی جاتی ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نظام کے استوار ہونے کا ثبوت ہے۔

قاہرہ یونیورسٹی میں ادبیات کے علاوہ علوم و فنون کی تقریباً تمام رائج الوقت شاخیں "سندی نصاب (ڈگری کورس)" یا شہادتی نصاب (ڈپلومہ کورس) کی شکل میں شریک درسیات ہیں۔ الجامعہ القاہرہ (قاہرہ یونیورسٹی) میں ایک درجن کالج ہوں گے جن کی تھوڑی سی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ كلية الآداب [آرٹس کالج ARTS COLLEGE] یہ کلیہ ۱۹۰۸ء میں قائم ہوا۔ اور ۱۹۲۵ء میں قاہرہ یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا۔ اس میں بی اے تک کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد چار ہزار آٹھ سو باون ہے۔ اور الليسانس الممتازة [آنرز HONOURS] ماجستر (ایم۔ اے M-A) دكتوراة [ڈاکٹریٹ DOCTORATE] کرنے والے طلبہ تین سو ستائیس ہیں۔

۲۔ كلية التجارة [کامرس کالج COMMERCE COLLEGE] یہ کالج ۱۹۱۱ء میں قائم ہوا اور ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا۔ طلبہ کی تعداد پانچ ہزار چھ سو دو ہے اور ان میں اعلیٰ تعلیم یعنی آنرز، ایم۔ اے، اور ڈاکٹریٹ کے درجات میں آٹھ سو سولہ طلبہ داخل ہیں۔

۳ - کلیۃ الحقوق [لا کالج LAW COLLEGE] یہ ۱۹۱۶ء میں قائم ہوا - ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا - اس کالج کے طلبہ کی تعداد پانچ ہزار ایک سو ساٹھ ہے - اور قانون کی اعلیٰ تعلیم میں آٹھ سو اٹھانوے طلبہ شریک ہیں -

۴ - کلیۃ طب الاسنان [ڈینٹسٹری کالج DENTESTORY COLLEGE] دانتوں کے علاج کا یہ کالج ۱۹۲۵ء میں قائم ہو کر ۱۹۳۸ء میں یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا - طلبہ کی تعداد چار سو پینتیس ہے - اس کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے انیس ۱۹ ہیں -

۵ - کلیۃ الطب [میڈیکل کالج MEDICAL COLLEGE] ۱۸۲۸ء میں قائم ہوا - ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی کے ماتحت آیا اس میں طلبہ کی تعداد تین ہزار ایک سو پینتالیس ہے - اور طب اعلیٰ کی تعلیم حاصل کرتے والے تین سو پینتیس ہے

۶ - کلیۃ الزراعۃ [اگریکلچر کالج AGRICULTURE COLLEGE] یہ ۱۸۲۹ء میں قائم ہوا - اور ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا اس کالج میں دو ہزار تین سو طلبہ اور زراعت کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے دو سو اناسی ہیں -

۷ - کلیۃ الہندسۃ [انجینیرنگ کالج ENGINEERING COLLEGE] یہ ۱۸۲۰ء میں قائم ہوا اور ۱۹۳۵ء میں یونیورسٹی سے ملحق کیا گیا - اس کالج میں طلبہ کی تعداد دو ہزار چھ سو نواسی ہے اور انجینیرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل

کرنے والے دوسو آٹھ ہیں۔

۸ - كلية الطب البيطرى [ویٹرنری کالج VETERINARY COLLEGE]

یہ کالج ۱۸۲۸ء میں قائم ہو کر ۱۹۳۵ء میں یونیورسٹی کے تحت آیا۔ طلبہ کی تعداد نو سو انتیس ہے اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اکتیس ہیں۔

۹ كلية الصيدلة [فارمیسی کالج PHARMACY COLLEGE] یہ ۱۸۲۸ء میں کھولا گیا اور ۱۹۲۵ء میں یونیورسٹی سے اس کا انضمام ہوا۔ پڑھنے والوں کی تعداد دو سو سترہ ہے۔ اور دراسات علیا میں پینتالیس طلبہ ہیں۔

۱۰ كلية العلوم [سائنس کالج SCINCE COLLEGE] ۱۹۲۵ء میں کھلا۔ طلبہ کی تعداد ایک ہزار ایک سو پچیس ہے۔ اور سائنس کی اعلیٰ تعلیم یعنی ایم۔ ایس۔ سی اور ڈاکٹریٹ میں پڑھنے والے دو سو سترہ ہیں۔ سائنس کالج میں حسب ذیل مضامین کی تعلیم کا نظم ہے:-

الریاضی [میتھمیٹکس MATHEMATICS]۔ الطبیعات (PHYSICS) الکیمیا (CHEMISTRY) الحیوانات (ZOOLOGY) الحشرات (SEISMOLOGY) علم طبقات الارض (GEOLOCY) الفلکیات (METEOROLOGY) التشریح (ANATOMY) وظائف الاعضا (PHYSIOLOGY) علوم البحار (OCEONOGRAPHY)

اور پھر ان میں سے ہر ایک مضمون کی متعدد شاخیں درس میں داخل ہیں۔

اب مثلاً "الکیمیا" (کیمسٹری) کا نصاب حسب ذیل شاخوں میں تبدیل ہے:-
کیمیا طبعی - کیمیائے حیوانی - کیمیائے نباتی - کیمیائے ارضی - کیمیائے حشرات الارض
کیمیائے کہربائی - اور کیمیائے تحلیلی وغیرہ

۱۱- کلیۃ دار العلوم [یونیورسٹی کالج UNIVERSITY COLLEGE] یہ
دار العلوم اپنے پیچھے ایک عظیم تاریخ رکھتا ہے - انیسویں صدی میں علمار
مصر کے اندر غلط قدامت پسندی اور تنگ نظری عام تھی ۔ اس دور کے
مصلحین نے بڑی کوششیں کیں کہ ازہر کے نصاب تعلیم میں مناسب اصلاح کی جائے
اور ضروری حد تک علوم جدیدہ کا اضافہ ہو لیکن شیوخ ازہر کسی طرح بھی اصلاح و تبدیلی
کے لئے آمادہ نہ ہوئے - مصر کے مشہور وزیر تعلیم علی مبارک پاشا نے صورت حال سے
مجبور ہو کر ۱۸۷۱ء میں دار العلوم کی بنیاد رکھی - مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا مدرسہ کھولا
جائے جس میں مشرقی علوم کے ساتھ علوم جدیدہ کی بھی مناسب حد تک تعلیم ہو اور اس طرح
جدید و قدیم کا ایک سنگم تیار کیا جائے - تاکہ مصر کے علمار قدیم علوم میں مہارت
حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ علم کی نئی راہوں سے بھی آشنا رہیں - اس دور کے
روشن خیال، وسیع النظر علمار اور مصلحین نے دار العلوم کے قیام کو اپنے خواب
کی تعبیر سمجھا - اور اسی دار العلوم ازہر کے مایہ ناز فاضل، عالم اسلام کے مشہور
مفکر اور جمال الدین افغانی کے سچے جانشین مفتی محمد عبدہ[1] نے ۱۲۹۵ھ میں مسند درس

---

[1] الشیخ محمد عبدہ کا مولد مصر کا ایک گاؤں مدیریۃ الغربیہ ہے پیدائش ۱۲۶۶ھ / ۱۸۴۵ء
کی ہے - قرآن کے حافظ اور جامع ازہر کے مایہ ناز فاضل ہیں - سید جمال الدین افغانی کے محبوب [بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۸۸]

سنبھالی ۱۹۴۶ء تک اس کی حیثیت مستقل رہی لیکن اسی سال جب ڈاکٹر طہٰ حسین مصر کے وزیر تعلیم ہوئے تو دار العلوم کا بھی "جامعۃ القاہرہ" سے الحاق ہوگیا - اب یہ قاہرہ یونیورسٹی کا ایک کالج ہے - مگر ہنوز اس کی اپنی پرانی خصوصیات بڑی حد تک

[بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ] اور قابل فخر تلمیذ اور ان کے بعد ان کی تحریک کے روح رواں ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم قاہرہ میں استاد مقرر ہوئے - پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ انہیں مصر سے "سوریا" جلا وطن ہونا پڑا - یہاں شعبۂ تعلیم کے نگران اعلیٰ مقرر ہوئے - کچھ دنوں بعد خدیو مصر نے معافی دی تو مصر آکر منصب قضا سنبھالا اس کے بعد جامعہ ازہر کے استاد مقرر ہوئے - اور منصب افتا بھی آپ کے حوالہ کیا گیا - ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۱ء میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ -

موصوف کے متعلق حضرت مولانا ابو الکلام آزاد علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"۱۹۰۸ء میں ازہر کا نظام تعلیم اس قدر ناقص تھا کہ اس سے نہ تو ذہن کی تربیت ہوتی اور نہ قدیم اسلامی علوم پر عبور ہوتا - شیخ محمد عبدہ نے اصلاح کرنا چاہی مگر قدامت پسند علماء نے نہ ہونے دی - جب اس طرف سے مایوس ہوئے تو انہوں نے قاہرہ میں دار العلوم قائم کیا جو اب تک قائم ہے - علوم اسلامیہ کی اچھی درسگاہ ہے" (ہماری آزادی ص ۱۹)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم کے قیام کا سنہ ۱۹۰۸ء بتلایا ہے اور اس کے قیام کو شیخ محمد عبدہ کی طرف منسوب کیا ہے - لیکن مصر کی تاریخوں اور حکومت مصر کے مطبوعہ کاغذات سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ دار العلوم کا قیام ۱۸۷۱ء میں ہوا - اور اس کی بنا علی مبارک پاشا وزیر تعلیم مصر نے رکھی - ۱۲

باقی ہیں۔ مصر کی تمام یونیورسٹیوں میں یہی وہ تنہا کالج ہے جہاں وہ سارے علوم جامعیت کے ساتھ جدید سائنٹفک انداز میں پڑھائے جاتے ہیں۔ جو ازہر کے "كلية الشريعة" "كلية اصول الدين" اور "كلية الدراسات العربية" کی خصوصیات ہیں یعنی عربی ادب، تاریخ ادب، نقد، لسانیات، نحو، اور صرف کے ساتھ حدیث تفسیر، فقہ اسلامی، اصول فقہ، عقائد، علم کلام، اور تاریخ اسلام کی بھی تعلیم ہوتی ہے۔ نیز انگریزی، فارسی، اور عبرانی زبانوں کی بھی تعلیم لازمی ہے۔

یہاں ایم۔ اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے طلبہ جو مقالے (THESIS) پیش کرتے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دارالعلوم میں مختلف اسلامی مسائل پر طلبہ کو تیار کرنے کا کیا انداز ہے۔ صرف گذشتہ دو سالوں میں دارالعلوم کے طلبہ نے حسب ذیل مقالے پیش کئے۔

(۱) فقه ابي يوسف (امام ابو یوسف کی فقہ)۔ (۲) النسخ في القرآن (نسخ قرآن میں) (۳) السنة قبل التدوين (حدیث تدوین سے پہلے)۔ (۴) الجبر والقدر في ضوء القرآن (مسئلہ جبر و قدر قرآن کی روشنی میں) (۵) منهج التشريع عند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ (حضرت عمر کا طریقہ تشریع)۔ (۶) نظام الميراث في اندونيشيا بين الشريعة والعادات (انڈونیشیا کا قانون میراث شریعت و رواج کے درمیان) (۷) الربوا في الاسلام (سود اسلام میں)۔ (۸) البنك والتأمين في الاسلام (بینکنگ اور انشورنس اسلام میں)۔ (۹) الحركات الاسلامية في اندونيشيا (انڈونیشیا میں اسلامی تحریکات)۔ (۱۰) فلسفة الامام الرازي (امام رازی کا فلسفہ)۔ (۱۱) اثر الحافظ ابن عبد البر في الحديث والفقه (حدیث و

فقہ پر ابن عبد البر کا اثر) - (۱۲) اثر الامام الطحاوی فی الحدیث (امام طحاوی کا اثر حدیث پر) (۱۳) الاجماع فی الشریعۃ الاسلامی (اجماع شریعت اسلامی میں) وغیرہ وغیرہ۔ دار العلوم کی انہیں خصوصیات کی بنا پر اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کے لئے دمشق، بغداد اور اردن کے تمام طلبہ یہاں آتے ہیں۔ باوجودیکہ دمشق میں "الکلیۃ الشرعیۃ" قائم ہے۔ پھر بھی وہاں کے طلبہ دار العلوم ہی آکر علوم اسلامیہ میں ایم۔ اے۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کرتے ہیں۔ بہر حال، یہ دار العلوم قاہرہ یونیورسٹی کا سب سے اہم اور ممتاز کالج ہے۔ اور اپنی خصوصیات میں ممتاز ہے "جامعہ عین شمس[۱] کا زنانہ کالج موجودہ دور کی تمام خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔ عین شمس کا ایک اور کالج جسمانی تربیت کے لئے ممتاز ہے۔ اور فزیکل ایجوکیشن کے لئے اس نئے دور میں متحدہ عرب جمہوریہ کا یہ معیاری کالج ہے۔

ان یونیورسٹیوں اور کالجوں میں غیر ملکی اساتذہ کے آنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ لیکن خود مصری اساتذہ میں ایسے فضلاء کافی تعداد میں ہیں، جو فرانس، انگلینڈ، امریکہ اور روس سے مختلف علوم وفنون کی اونچی سے

---

[۱] قاہرہ سے آٹھ سو کیلومیٹر کے فاصلہ پر ایک تاریخی مقام ہے۔ اسی مقام پر یونانیوں نے اپنے عہد میں "معبد" بنایا تھا جہاں وہ سورج کی پرستش کیا کرتے تھے اور اسی زمانہ میں "عین شمس" مصر کا ایک تعلیمی مرکز بھی تھا۔ اسی مقام پر ایک مشہور فرعون بادشاہ "امرتین الاول" (۱۹۸۰ - ۱۹۳۵ ق م) کی ایک اہم یادگار "مسلۃ عین شمس" کے نام سے آج بھی موجود ہے جسے ایک چوبہل مینار یا لاٹ کہہ سکتے ہیں۔ ۱۲

اونچی ڈگریاں لے کر آتے ہیں۔ مصر میں تعلیمی ترقی کا جو حال ہے۔ بالخصوص نئے علوم و فنون پر جس قدر زور دیا جارہا ہے۔ یہ اندازہ حق بجانب ہوگا کہ مصر مستقبل قریب میں اپنے طلبہ کو کسی علم و فن کے حصول کے لیئے باہر بھیجنے کی ضرورت زیادہ محسوس نہ کرے گا۔ ازہر تو زمانہ قدیم سے بین الاقوامی درسگاہ تھا ہی۔ اب مصر کا مجموعی نظام تعلیم اتنا وسیع اور موثر بن چکا ہے کہ مشرق وسطی اور براعظم افریقہ کے طلبہ تحصیل علوم کے لیئے جوق در جوق مصر آتے ہیں اور دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں مسلمان آباد ہوں اور وہاں کے طلبہ مصر میں موجود نہ ہوں۔ اور پھر کسی مذہب و ملت کا امتیاز نہیں۔ عیسائی اور یہودی تو وہاں کے شہری ہیں اور تعلیم میں کسی سے کم نہیں۔ بلکہ آگے ہیں۔ اب تو ہندوستان کے ہندو بھی قاہرہ جاکر تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ مسٹر چودھری سے ملاقات ہوئی۔ غالباً پنجاب کے رہنے والے ہیں۔ اور قاہرہ یونیورسٹی کے کسی کلیہ میں داخل ہیں۔

آج ۲۰ مارچ ۱۹۶۲ء کو میں نے جامع ازہر میں جمعہ کی نماز ادا کی اور اس کے بعد مسجد حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی جاکر دیکھی۔ دونوں مسجدیں بالکل آمنے سامنے ہیں۔ صرف درمیان میں سڑک حائل ہے۔ مسجد حسینؓ، وسیع، خوبصورت اور بڑی سجی ہوئی مسجد ہے۔ مسجد سے ملا ہوا قبلہ کی جانب شاندار گنبد ہے اور اس کے نیچے قبر بنی ہوئی ہے۔ مصری حضرات کہتے ہیں کہ یہاں سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا سر مدفون ہے۔ یہ روایت تاریخی نقطہ نگاہ سے کہاں تک صحیح ہے اسے تو مورخ جانیں۔ لیکن مزار پر غیر معمولی ہجوم رہتا ہے اور عورتیں بھی بڑی تعداد میں آتی ہیں۔ مسجد کے ایک جانب باہر کی طرف سڑک کے بعد کچھ شور ہو رہا تھا

جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ حلقۂ ذکر ہے۔ یہاں صوفیاء کا ایک گروہ ہے جو اپنے کو سلسلہ شاذلیہ کی طرف منسوب کرتا ہے۔ اسی سلسلے کے یہ ذاکرین تھے جن کی تعداد چالیس پچاس رہی ہوگی۔ سبھوں نے کھڑے ہو کر صفیں بنالی تھیں۔ اور جھوم جھوم کر ایک حد تک ورزش کے انداز میں "لا الہ الا اللہ" کا ذکر کر رہے تھے۔ یہ حلقۂ ذکر کھلے میدان میں تھا۔ دھوپ بھی خاصی تیز تھی اور غالباً ذاکرین گھنٹہ بھر سے ذکر میں مشغول ہوں گے۔ اس لئے ان میں سے اکثر حالت اضطرار میں تھے اور انہیں اپنے اوپر قابو باقی نہ رہا تھا۔ ان کے ذکر کرانے والے شیخ نے جب ذکر بند کرنے کا حکم دیا تو بہت سے ذاکرین جھومتے ہی رہے اور کافی دیر بعد وہ ذکر بند کرنے پر قادر ہو سکے۔ کھڑے ہو کر ذکر کرنے کا یہ طریقہ میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا۔

پھر ہم مسجد "علامہ بدرالدین عینی"[1] آئے۔ یہ چھوٹی سی مسجد جامع ازہر کی پشت پر تنگ گلی میں واقع ہے۔ اور کچھ اچھی حالت میں نہیں ہے۔ مسجد کے خادم کے پاس جو رجسٹر تھا اس کے دیکھنے سے یہ تو معلوم ہوا کہ یہ مسجد بھی وزارت اوقاف کے نظم میں ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں اس مسجد کے ساتھ وہ سلوک نہیں جو اور مسجدوں کے ساتھ عموماً مصر میں برتا جاتا ہے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کا

---

[1] معقول ومنقول کے مشہور عالم فطری جودت وذکاوت میں ممتاز۔ قاہرہ میں تقریباً چالیس سال تک درس دیا۔ تصانیف میں "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" اور "شرح ہدایہ" اہل علم کی نگاہوں میں خاص وقعت رکھتی ہیں۔ مسلک حنفی رکھتے تھے۔ ۷۶۲ھ میں قاہرہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۸۵۵ھ میں وفات پائی۔ ۱۲

مزار مبارک بھی مسجد کی ایک جانب گنبد کے نیچے ہے۔ مزار تو پختہ ہے لیکن مزار پر تابوت وغیرہ نہیں ہے۔ اور مزار کے چبوترے اور کمرے کے در و دیوار پر کہنگی اور خستگی کے آثار نمایاں ہیں۔ صفائی بھی پوری طرح نہیں تھی۔ غالباً لوگوں کی آمد و رفت بھی کم ہے۔ جس وقت ہم لوگ پہنچے۔ ہمارے سوا وہاں کوئی دوسرا نہ تھا۔ فاتحہ پڑھ کر قیام گاہ کو واپس آیا۔ جامع ازہر اور مسجد علینی، مصر قدیمہ میں ہیں۔ اس حصہ کی گلیاں تنگ ہیں اور قدامت و گندگی زیادہ ہے۔ جیسے ہندوستان کے چھوٹے بازاروں میں ہوا کرتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مصر میں پھل اور ترکاریاں جس قدر سستی ہیں، مشرق وسطی اور افریقہ میں کہیں نہیں ملتیں۔ بازار میں کاغذی لیمون مل رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک قرش یعنی ہندوستان کے دس نئے پیسے میں پانچ چھ ملتے ہیں۔ باوجودیکہ آج کل لیمون کا موسم نہیں ہے۔ موسم میں ایک قرش میں پچیس لیمون مل جایا کرتے ہیں۔ مصر کے لوگ لیمون، موسمی، کیلا، اور موسم میں انگور کثرت سے استعمال کرتے ہیں۔

۲۱ مارچ کو "مدیریۃ التحریر" کا پروگرام تھا۔ انقلاب کے بعد یہ شہر ایک صحرا میں بسایا گیا ہے اور قاہرہ[۱] سے تہتر کیلومیٹر پر واقع ہے۔ یہ گویا ایک

---

[۱] جس جگہ آج کل قاہرہ آباد ہے۔ ۳۵۷ھ تک یہ جگہ چٹیل میدان تھی۔ "جوہر صقلی" (بانی جامع ازہر) نے اس مقام پر بغداد کا نقشہ سامنے رکھ کر بڑا شہر بسایا، ۳۶۱ھ میں شہر کی تکمیل ہوئی۔ خلیفہ معز لدین اللہ، علم الافلاک اور نجوم کا ماہر تھا۔ زائچہ دیکھ کر کہا کہ جس وقت اس شہر کی بنیاد رکھی گئی آفتاب "برج حمل" میں تھا اور سلطان فلک "مریخ" تھا [بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۹۴ دیکھئے]

ایک زراعتی شہر ہے۔ یہاں حکومت مصر نے نو بڑے بڑے کنوئیں بنوادیے ہیں اور تریسٹھ
ہزار ایکڑ زمین کو نو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ہر حصے میں کام کرنے والوں کے رہنے
کوارٹر بنے ہوئے ہیں۔ ایک عمارت سرکاری دفاتر کے لیے ہے اور ہر حصہ میں
ایک مسجد اور ایک اسکول ہے۔ اس فارم میں بارہ ہزار مزدور اور تین سو
بیس ماہرین زراعت مشغول بکار ہیں۔ پانی کنوئیں سے کھیتوں میں نالیوں کے
ذریعہ نہیں بلکہ پائپ ہی کے ذریعہ جاتا ہے۔ پائپ میں جگہ جگہ فوارے کی شکل
کی ٹیز بنی ہوئی ہے۔ جب پانی کھولا جاتا ہے تو سات آٹھ فیٹ اونچا فوارہ
بن کر کھیتوں کو سیراب کرتا ہے، اور دیکھنے میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کھیتوں پر
بارش ہو رہی ہے۔ اس طرح پانی پودوں کے بالائی حصے کو تر کرتا ہوا جڑوں
میں پہنچتا ہے اور صحرا میں ضائع نہیں ہونے پاتا۔ قاہرہ سے فوج کی ایک جمنیٹ
بھیجی گئی تھی جس نے پریڈ کی سلامی دی۔ اور مختلف کرتب دکھائے۔ پھر
اسکول کے بچوں کا کھیل ہوا۔ مسجد میں جماعت سے نماز ہوئی۔ دوپہر کا کھانا
مندوبین موتمر نے وہیں کھایا اور عصر کے بعد واپس ہوئے۔ آج بعد مغرب

[بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ] جو قاہر آسمان ہے۔ لہٰذا اس شہر کا نام قاہرہ رکھا جائے۔ ۵۶۷ھ میں
جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر کی بادشاہت سنبھالی تو اس نے قاہرہ میں بڑی توسیع کی قلعے بنوائے
قاہرہ کے باہر جانب جنوب میں "فسطاط" تک اور جانب مغرب میں نیل تک لوگوں کے لیے
رہائشی مکانات بنوائے۔ پھر جب محمد علی پاشا (بانی خاندان خدیویہ) کا زمانہ آیا تو قاہرہ
میں بڑی ترقی اور توسیع ہوئی اور پھر تو قاہرہ بڑھتا ہی گیا۔ اور آج دنیا کے چند بڑے شہروں میں ایک ہے۔ ۱۳

ڈاکٹر بھی وزیر اوقاف دمشق ان الاذہر فندق اطلس آئے اور تمام مندوبین سے ملے اور یہ پیغام دے کر واپس ہوئے کہ کل دن کو بارہ بجے سماحۃ جمہوریہ جمال عبدالناصر قصر جمہوریہ میں آپ حضرات کا استقبال کریں گے۔

۲۲ مارچ کو صبح دس بجے سے موتمر کا اجلاس شروع ہوا۔ اب مقالات اور علمی تقریروں کا دور ختم ہو چکا ہے۔ شرکاء میں وہ پہلا سا جوش اور سرگرمی بھی باقی نہیں۔ محض تعارفی تقریریں ہوتی ہیں اور وہ مسلم ممالک جو نئے نئے آزاد ہوئے ہیں اپنے ملکوں کے تھوڑے بہت حالات بیان کرتے ہیں۔ آج ہی بارہ بجے السید الرئیس جمال عبدالناصر سے عمومی ملاقات کا وقت تھا۔ آج دوپہر کو بارہ بجے عبدالناصر نے قصر الجمہوریہ میں ہم سب لوگوں کا استقبال کیا۔ قاہرہ میں شاہ فاروق کے دو محل تھے ایک "قصر عابدین" اور دوسرا "قصر جمہوریہ" قصر عابدین کو تو یادگار اور عبرت کے لئے محفوظ کر دیا گیا ہے اس میں ہر چیز اسی طرح ہے جیسی شاہ فاروق کے زمانہ میں تھی پچیس قرش کا ٹکٹ لے کر لوگ قصر عابدین دیکھنے جاتے ہیں اور شاہ موصوف کے عیش و عشرت کا منظر دیکھ کر عبرت حاصل کرتے ہیں۔ قصر جمہوریہ اس وقت استعمال میں ہے۔ یہ بھی عظیم الشان محل ہے۔ اس محل کا رقبہ بھی کئی سو ایکڑ کا ہوگا۔ صدر دروازے میں داخل ہونے کے بعد کافی دور تک سرسبز و شاداب باغ ہے۔ اس کے بعد خوشنما چمن۔ چمن ختم ہونے کے بعد محل شروع ہوتا ہے۔ قیمتی سنگ مرمر سے بنا ہوا یہ محل اپنے اعلیٰ فرنیچر اور ساز و سامان کے ساتھ بس دیکھنے ہی کی چیز ہے۔ ہم لوگ محل کے اندر لے جا کر بٹھلائے گئے۔ ترتیب سے تواضع ہوئی

صدر جمہوریہ جمال عبدالناصر تشریف لائے، ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور "اھلا وسھلا" کہتے ہوئے آگے بڑھے۔ سبھوں سے مل چکنے کے بعد انھوں نے دس منٹ مختصر سی تقریر کی۔ اور مہمانوں کا استقبال کیا۔ شکریہ ادا کیا۔ اور کہا کہ :۔

"آپ مسلمان دنیا کے مختلف گوشوں میں مغربی استعمار سے آزاد ہو چکے ہیں۔ ایسی حالت میں ان کا پہلا فرض ہے کہ باہم متحد ہو کر دین کا احیاء کریں۔ یہ موتمر جس میں آپ لوگوں نے شرکت کی، خالص علمی اور دینی ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر بلائی گئی ہے کہ تمام دنیا کے مسلمان خلوص نیت اور جذبہ اتحاد کے ساتھ دین کے احیاء کیلئے موثر قدم اٹھائیں۔ اس موتمر کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر آج کل کی گندی سیاست کو اس میں دخیل بنایا جائے گا تو رشتہ اتحاد ختم ہو جائے گا۔ اور اختلافات شروع ہو جائیں گے۔"

آج شام کو بھی موتمر کا اجلاس ہوا۔ مختلف ملکوں کے نمائندوں نے متحدہ عرب جمہوریہ کا شکریہ ادا کیا۔ اور السید الرئیس جمال عبدالناصر کی مدح سرائی کی انگلینڈ، ہالینڈ، یوگوسلاویہ، انڈونیشیا، سیلون، جاپان، اور افریقی ممالک کے نمائندوں نے انگریزی، فرانسیسی وغیرہ میں تقریریں کیں اور اپنے ملک کے اخلاقی، دینی اور تعلیمی حالات بیان کئے۔ جن سے معلوم ہوا کہ ان ملکوں کے مسلمانوں میں دینی شعور اور اسلامی جذبۂ اخوت بیدار ہو چکا ہے۔ اور ملی تنظیم اور دینی اصلاح و ترقی کا خیال ہر جگہ موجود ہے انہیں ملی تنظیم میں منسلک

کرنا ممکن ہے۔ مثلاً فلپائن کے نمائندے نے انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ فلپائن میں مسلمانوں کی آبادی تئیس لاکھ ہے۔ یہاں کی زبان انگریزی ہے۔ انگریزی کے سوا سات یا آٹھ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ شیخ مخدوم نے فلپائن میں اسلام پھیلایا۔ اور وہاں ایک تعلیم گاہ کھول کر وہاں کی آبادی کو دین اسلام سے آشنا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت سو سے زیادہ طلبہ ازہر میں تعلیم پا رہے ہیں۔ فلپائن ۱۹۴۶ء میں آزاد ہوا۔ مسٹر عبدالعزیز (سیلون) نے انگریزی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ سیلون کی مجموعی آبادی بیس لاکھ ہے۔ جن میں مسلمانوں کی تعداد سات ہزار ہے۔ اب ان کا ذہنی شعور بیدار ہو رہا ہے اور سیلون کے مسلمان دینی تعلیم کے حصول کے لئے فکرمند ہیں۔ اور اقدامات کر رہے ہیں۔"

لندن سے آئے ہوئے نمائندے نے جن کے چہرے پر داڑھی اور سر پر عمامہ بھی تھا لندن کے مسلمانوں کے حالات بتلاتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنی وضع قطع پر بھی نظر رکھنی چاہیے اور ہمیں اپنی صورت و شکل، لباس و وضع اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھ کر مقرر کرنی چاہیے۔" آج کا اجلاس انہی قسم کی تقریروں پر ختم ہوا۔

۲۳ مارچ موتمر کے اجلاس کا آخری دن تھا۔ صبح کی مجلس میں ہر ملک کے وفد کے ایک رکن نے وداعی تقریر کی اور قیام و طعام وغیرہ کی جو سہولتیں اور مختلف مقامات کی سیاحت کیلئے جو آسانیاں بہم پہنچائی گئیں ان کے لئے متحدہ عرب جمہوریہ، الازہر شریف اور السید الرئیس جمال عبدالناصر کا شکریہ

ادا کیا۔ آخر میں ڈاکٹر سید اللہ ماضی وکیل الازہر اور صدر موتمر نے اپنی وداعی تقریر میں تمام مندوبین کا اس امر پر کہ انہوں نے ازہر شریف کی دعوت کو قبول کیا اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے کاموں کو اپنے تعاون سے آگے بڑھایا شکریہ ادا کیا۔ پھر ڈاکٹر محب اللہ سکریٹری مجمع البحوث الاسلامیہ نے چند تجویزیں پڑھ کر سنائیں جسے موتمر نے منظور کیا۔ تجویزیں حسب ذیل ہیں:۔

۱ ۔ یہ موتمر اسلامی، صدر جمال عبد الناصر کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انہوں نے موتمر کی سرپرستی منظور فرمائی اور اپنے نائب السید حسین الشافعی کو موتمر کے افتتاح کے لئے مامور کیا۔

۲ ۔ موتمر اس راحت و آرام اور خاطر و مدارات پر جو اس کے ارکان کو یہاں میسر آئیں متحدہ عرب جمہوریہ اور وزیر اوقاف کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

۳۔ موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ کے قیام کو وقت کی اہم ترین اسلامی ضرورت سمجھتی ہے۔

۴ ۔ موتمر مسلمانان عالم سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اسرائیل کے خطرے سے لوگوں کو آگاہ کریں اور ایسی کوشش عمل میں لائیں کہ فلسطین سے آئے ہوئے مہاجرین پھر اپنے وطن جا کر آباد ہو سکیں۔

۵ ۔ یہ موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ احیائے دعوت اسلامیہ کے لئے مکمل خاکہ بنا کر عمل شروع کر دے۔

۶ ۔ موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ سے درخواست کرتی ہے کہ موجودہ دور نے

جو نئے مسائل کھڑے کر دیئے ہیں ان کا اسلامی حل دریافت کرنے کی خاطر اصحاب افتاء و فقہ کی ایک کمیٹی بنائے جو جلد اپنا کام شروع کر دے۔

۷۔ موتمر تجویز کرتی ہے کہ مسلمانوں کو عربی زبان کی تعلیم کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہنچائی جائیں۔

۸۔ موتمر ضروری خیال کرتی ہے کہ مسلمانان عالم کو ایک رشتۂ اخوت میں منسلک کرنے اور انہیں امۃ واحدہ بنانے کے لئے موثر عملی اقدامات کیے جائیں۔

ان تجاویز کے بعد موتمر دعاء پر ختم ہو گئی۔

آج شیخ امجد زہاوی عراقی سے ملاقات ہوئی۔ عراق کے مشہور مجاہد ہیں اور جیل خانوں میں جا چکے ہیں مختلف اسلامی ملکوں کی آزادی میں سرفروشانہ حصہ لے چکے ہیں۔ شیخ موصوف نے الجزائر کے چندہ کے لئے پاکستان کا دورہ بھی کیا ہے۔ اپنے وسیع علم اور ٹھوس عمل کے باعث علماء و مشائخ کے حلقے میں مقبول ہیں۔ عمر نوے سے بالا ہو گی۔ اب مرض اور سن کے تقاضے نے مجبور کر دیا ہے پھر بھی موتمر میں شرکت کے لئے آئے۔ اور بیٹھ کر تھرتھراتی ہوئی آواز میں چند نصیحتیں فرمائیں۔

آج گویا ہم لوگوں کی وداعی دعوت تھی۔ یہ دعوت شیوخ ازہر کی طرف سے بڑے اعلیٰ پیمانے پر مصر کے سب سے بڑے اور نئے ہوٹل "النیل الھیلتون" میں دی گئی جس میں ازہر کے شیوخ اور اس کے بڑے بڑے ذمہ داروں نے خاص طور پر شرکت کی۔

۲۴،۲۵،۲۶ مارچ کو دنیا کے مشہور شہر اسکندریہ[1] کا پروگرام تھا۔ قاہرہ
سے اسکندریہ دو سو کیلو میٹر ہے۔ راستہ میں "محلۃ الکبریٰ" کے بعد "بحیرہ" کا علاقہ ملتا ہے
یہ علاقہ مصر میں کھجوروں کے لئے مشہور ہے۔ ہر طرف کھجوروں ہی کے باغات نظر آتے
ہیں۔ طنطا میں تھوڑی دیر ٹھہر کر ہم لوگوں نے چائے پی۔ اور پھر آگے بڑھے۔ راستہ
میں دونوں طرف سرسبز و شاداب کھیت ہیں اس طرف دیہی حلقے میں ہاٹ
بھی لگتے ہیں۔ تقریباً ہندوستان ہی کے انداز میں ہم نے "رفیقہ" نامی گاؤں
میں جاکر ہاٹ دیکھا۔ راستہ میں طنطا اور اسکندریہ کے درمیان کھاد اور صابون
کے بڑے بڑے کارخانے ہیں۔ اونٹوں کا رواج بھی کافی ہے اس علاقہ میں دو گھوڑوں
والی گاڑی مال لانے اور لے جانے کے لئے کثرت سے استعمال ہوتی ہے۔ گاڑیوں
میں بڑے بڑے گدھے بھی جوتے جاتے ہیں۔ تقریباً چار گھنٹے میں ہم لوگ اسکندریہ
پہنچے اور "ونڈسر پیلس ہوٹل" (WENDSOR PALACE HOTEL) میں قیام ہوا
یہاں حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ اور راقم الحروف کو تیسری منزل پر ۵۸ کا

---

[1] دنیا کے عظیم تجارتی و ثقافتی شہروں میں ہے۔ اسے اسکندر مقدونی الکبیر نے ۳۳۱ سال قبل مسیح
بسایا تھا۔ بطالسہ کے عہد میں اسکندریہ صرف مشرقی ہی دنیا میں نہیں بلکہ پورے عالم میں تجارتی و ثقافتی نقطۂ نگاہ
سے بلند مقام پر پہنچ گیا تھا۔ تیس برس قبل مسیح اسکندریہ کو "اگاتیوس" نے فتح کرکے رومی سلطنت میں
داخل کرلیا۔ اس کے بعد اسکندریہ مشرقی دنیا میں مسیحیت کا سب سے بڑا مرکز بنا۔ جہاں لاہوتی مدرسے اور فلسفہ کی
درسگاہیں کھلیں۔ ۶۴۵ء میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ
کے ہاتھوں اسکندریہ فتح ہوکر اسلامی حکومت میں شامل ہوا۔ ۱۲

کمرہ ملا۔ اس ہوٹل کے کمرے "فندق اطلس" سے بڑے ہیں۔ خالص مغربی طرز کا ہوٹل ہے۔ فندق اطلس میں تو استنجا کے لئے فوّارہ تھا۔ یہاں وہ بھی نہیں۔ بلکہ ایک بیسن بنا ہوا ہے۔ اس میں پانی بھر لیجئے اور اس پر بیٹھ کر نظافت و طہارت حاصل کیجئے۔ یعنی مزید آلودگی۔ یہاں بھی ہمارے ہندوستانی لوٹے نے بڑا کام دیا۔ یہ ہوٹل بحر ابیض کے کنارے ہے۔ ہوٹل اور سمندر کے درمیان صرف چوڑی سڑک حائل ہے۔ ہر وقت سمندر کی چھوٹی بڑی موجوں کا تماشہ دیکھئے۔ ہم لوگ اپنے کمرے میں داخل ہوئے تو پہلی نگاہ میز پر رکھے ہوئے مطبوعہ کارڈ پر پڑی۔ حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"تحیط الادارۃ نظر الاسادۃ الناظرین بالفندق انہ
ممنوع منعا باتا ادخال الماکولات او مشروبات
او فواکہ من الخارج للاستھلاک داخل الفندق

'الادارۃ'

یعنی پھل یا دوسری کھانے پینے کی چیزیں باہر سے ہوٹل میں لا کر کھانا
قطعاً ممنوع ہے۔

ہم لوگوں نے وضو کیا۔ دو رکعتیں پڑھیں اور اسکندریہ کی سیر کے لئے تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے ہم لوگ اسکندریہ کی گودی دیکھنے گئے۔ یہ گودی بھی دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ گویا سمندر میں سترہ پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں۔ جہاز مسافر جہازوں کے لئے اور بقیہ مال اتارنے اور لادنے کے لئے ہر ایک پلیٹ فارم کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ایک پلیٹ فارم پر چھ سات بڑے بڑے

بار بردار جہاز کھڑے ہوئے تھے۔ ہر پلیٹ فارم پر مختلف تجارتی کمپنیوں کے دفاتر کھلے ہوئے ہیں۔ گودی کی عمارتیں سات منزل کی ہیں جس کی عظمت اور جمال کا صحیح اندازہ دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اسکندریہ کے منظر کو سمندر کے ساحل نے بڑا ہی دلکش اور دلفریب بنا دیا ہے۔ گیارہ بارہ میل لمبا شہر اسکندریہ بحر ابیض[1] کے کنارے آباد ہے۔ عمارتیں کم سے کم چھ منزلوں کی ہیں اور جس طرح سمندر کا ساحل آگے پیچھے ہوتا گیا ہے اسی طرح شہر بھی آباد ہے یعنی بالکل سانپ کی شکل کا شہر اور ساحل سمندر کے درمیان ساٹھ ستر فیٹ چوڑی سڑک ہے۔ پھر بھی جب سمندر میں بڑی موج آکر ساحل سے ٹکراتی ہے تو پانی اچھال کھا کر سڑک کو بھگوتا ہوا مکانات کی دیواروں تک پہنچ جاتا ہے اور اس وقت سڑک سے گزرنے والے بھیگ جاتے ہیں۔ ساحل پر نہانے کے لئے پلیٹ فارم بنے ہوئے ہیں اور بعض بعض جگہ یہ پلیٹ فارم چار منزلہ بھی ہیں کہ جیسے جیسے پانی کی سطح اونچی ہوتی جائے نہانے والے دوسرے تیسرے اور چوتھے پلیٹ فارم کو استعمال کریں۔ گرمیوں کے تین ماہ میں اسکندریہ غیر معمولی حد تک آباد ہو جاتا ہے اور اس موسم میں اس کی چہل پہل دیکھنے والی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مئی، جون، جولائی میں مغربی ممالک سے خصوصاً اور دنیا کے ہر ملک سے عموماً لوگ اسکندریہ آتے ہیں۔ آنے والوں کا تخمینہ ڈھائی تین لاکھ سے کم نہ ہوتا ہوگا۔ عورتیں زیادہ اور مرد کم۔ یہ آنے والے دو ڈھائی ماہ اسکندریہ میں قیام کرتے ہیں اور سمندر کے کنارے

---

[1] اسی کو بحر متوسط، میڈیٹرینین سی (MEDITERRANEAN SEA) اور بحر روم بھی کہتے ہیں۔

ہوٹلوں اور مکانات میں ٹھہرتے ہیں۔ حکومت نے بھی اس مقصد سے ساحل سمندر پر کافی کوارٹر بنوا رکھے ہیں۔ یہ لوگ دن میں دو دفعہ کئی کئی گھنٹے تک سمندر میں غسل کرتے ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ بحر ابیض کا پانی جلدی امراض کے لیے بےحد مفید ہے۔ مغربی ممالک میں باطن سے زیادہ ظاہر کا خیال کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جلد کی صفائی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اور جسم کے بیرونی حصہ پر کسی داغ دھبہ کو پسند نہیں کرتے۔ خاص طور پر اسی لیئے یہ لاکھوں انسان اسکندریہ آتے ہیں اور بحر ابیض میں نہا کر اپنے ظاہر جسم کو صاف کرتے ہیں۔

اسکندریہ کے دوکاندار تو بس اس موسم میں سال بھر کے لئے کما لیتے ہیں یہاں ایک سڑک "مشارع دانیال" کہلاتی ہے۔ اسی سڑک پر ایک مزار ہے کافی لمبا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دانیال نبی کی قبر ہے علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اسی اسکندریہ میں امام "بوصیری[1]" صاحب "قصیدہ بردہ" کی مسجد ہے۔ ہم نے مغرب کی نماز اسی میں پڑھی۔ مسجد بڑی شاندار ہے۔ اندر سے ہر طرح مرصع۔ سرخ مخمل کے قالین بچھے ہوئے۔ پانی، بجلی، لاؤڈ اسپیکر کا پورا انتظم۔ مسجد کی دیواروں پر قصیدہ بردہ

---

[1] نام شرف الدین محمد بن حماد ہے۔ مشہور ادیب اور صاحب ولایت و تقوی بزرگ، بوصیر مولد ہے۔ قاہرہ میں علمی نشو ونما پائی۔ قصیدہ بردہ مشہور نعتیہ قصیدہ کے مصنف ہیں وفات ۶۹۵ھ میں اسکندریہ میں پائی۔ اور وہیں دفن ہوئے۔ قصیدہ بردہ نے بقائے دوام حاصل کی، اور آج تک اولیاء اللہ کے سلسلوں میں اس کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس کے اشعار بطور تعویذ لکھے جاتے ہیں۔ ۱۲

کے اشعار لکھے ہوئے ہیں۔ اسی مسجد میں ایک جانب ایک کمرہ میں گنبد کے نیچے
امام بوصیری کا مزار مبارک ہے۔ ہر طرف جالی سے گھرا ہوا مزار پر پانچ ساڑھے
پانچ فیٹ اونچا تابوت، اس پر سبز چادر پڑی ہوئی ہے۔ یہاں نماز میں بھی
اور "امام بوصیری" کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے وقت بھی بہت دل لگا۔ مسجد
کے امام بڑے صالح شخص ہیں۔ چہرہ پر ہلکی سی ڈاڑھی بھی ہے۔ ہم لوگوں کو اپنے
کمرے میں لے گئے۔ بڑے اخلاق سے پیش آئے۔ بار بار ہمیں خوش آمدید کہتے۔
ہم نے معذرت کی اور گویا اپنی زبان میں اس طرح کہا کہ آپ تو ہمیں شرمندہ
کرتے ہیں۔ یا کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں تو فرمانے لگے۔ تم لوگ علماء اور صلحاء
میں سے ہو۔ تمہارے چہروں پر نور ہے۔ تمہارے ساتھ بیٹھنا اور حسن و اخلاق
سے پیش آنا باعث اجر و ثواب ہے۔ پھر انہوں نے چائے منگوائی، اور لبی
دور چائے کے چلے۔ امام صاحب نے شیخ احمد تنکاری مغربی رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی
تعریف کی۔ یہ نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ امام صاحب کا روحانی تعلق
اسی سلسلہ سے ہے۔ فرمانے لگے کہ ابتک کوئی ولی شیخ تنکاری کا مقابل نہیں
ہوا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے۔ اور شیخ تنکاری
خاتم الاولیاء ہیں۔ اسی مسجد کے سامنے مسجد شیخ احمد ابوعباس المرسی رح بھی ہے
اپنے وقت کے مشہور بزرگوں میں گذرے ہیں۔ مسجد کا درمیانی ہال چار ستونوں
پر قائم ہے یہ مسجد بھی بہت خوب اور قابل دید ہے۔ ایک جانب شیخ مرسی
علیہ الرحمہ کا مزار مبارک ہے۔ اسی عام انداز کا۔ ہم حاضر ہوئے۔ مزار مبارک
پر فاتحہ پڑھی اور مسجد میں نفلیں ادا کیں۔ اسی سڑک کی ایک دکان پر شیخ

احمد ہندی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ وطنی تعلق بھی بڑا گہرا ہوتا ہے۔ بس اسی خیال سے کہ یہ دوکاندار کوئی ہندوستانی ہے۔ ہم لوگ دوکان پر پہنچے۔ اپنا تعارف کرایا کہ ہم ہندوستان کے رہنے والے ہیں۔ موتمر میں قاہرہ آئے ہوئے تھے۔ اسکندریہ دیکھنے یہاں پہنچے ہیں اور آپ کے بورڈ پر ہندی کا لفظ دیکھ آپ سے ملنے آگئے۔ بڑے اخلاق سے پیش آئے کہنے لگے کہ ہمارے دادا انگریزوں کے زمانہ میں ہندوستان سے یہاں آئے تھے۔ ہماری اور ہمارے والد کی پیدائش اسکندریہ ہی کی ہے۔ لیکن ہم لوگ اب تک اپنے اصلی وطن کو نہیں بھولے ہیں۔

آج رات کے کھانے میں جھینگا مچھلی آئی۔ بالکل سفید، اور اس پر کہیں سرخ رنگ کی چھینٹیں۔ نہایت لذیذ اور خوشبو دار۔ یہ مچھلی اس قدر عمدہ پکی ہوئی میں نے پہلے کبھی نہیں کھائی تھی۔ یہاں "متحف السمک" بھی دیکھا۔ سمندر کے کنارہ سہ منزلہ عمارت میں مچھلیوں کا عجائب خانہ ہے۔ پہلی منزل میں ایک لمبی سی گیلری ہے۔ جس کے دونوں طرف دیواریں ہیں۔ دیواروں میں آٹھ دس مربع فیٹ کے خانے بنے ہوئے ہیں۔ ان خانوں پر گیلری کی جانب موٹے شیشے جڑے ہوئے ہیں میں نے انہیں شمار کیا تو انچاس خانے تھے ہر خانہ میں ایک طرح کی مچھلیوں کا جوڑا تھا اور خانوں میں پانی بھرا ہوا ہے اور اس میں نیچے سے آکسیجن دیا جاتا ہے۔ اور اس کی زمین اس طرح بنائی گئی ہے جس طرح یہ مچھلیاں سمندر میں اپنے رہنے کے لئے بناتی ہیں۔ مچھلیوں کی یہ انچاس قسمیں بس اللہ کی قدرت کا نمونہ ہیں۔ بعض مچھلیاں ایسی جیسے ہوائی جہاز کسی میں انتہائی چمک کسی پر ایسے گل بوٹے جیسے ان دنوں زنانہ کپڑوں پر ہوتے ہیں بعض کا منہ بالکل خنزیر کی طرح۔ بعض

گھڑیال کی مانند۔ دوسری منزل میں ایک بڑی مچھلی کا ڈھانچہ رکھا ہوا ہے جس کی پسلیوں کے نیچے میں جا کر کھڑا ہوا۔ جب بھی چار پانچ فیٹ نیچا ہی رہا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔

اسکندریہ میں متحف یونانی اور رومانی بھی دیکھا۔ جہاں یونانی اور رومانی دور کے مجسمے، سکے، وزن کرنے کے باٹ، ظروف، زیورات اور مختلف آثار جمع ہیں۔ ۳۰۰ سال قبل مسیح کی ممی کی ہوئی چار لاشیں بھی موجود ہیں۔ رومانی آثار کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس دور کی عورتیں ساڑھی استعمال کرتی تھیں اور بال گھونگھریالے بناتی تھیں۔ یہ بات بالکل صحیح نکلی کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔ اور ہم آگے نہیں بڑھ رہے ہیں بلکہ پیچھے جا رہے ہیں۔ اس متحف رومانی اور یونانی کے پاس ایک قدیم عمارت بھی ہے جس کا زیادہ حصہ امتداد زمانہ کے باعث زمین کے نیچے دب چکا ہے۔ اسی عمارت میں رومی عہد کا قدیم اور قیمتی کتب خانہ تھا جس میں علوم و فنون کی دو لاکھ چرمی کتابیں تھیں۔ جس کے متعلق تیرہویں صدی عیسوی میں بعض عیسائی مورخین نے ایک روایت وضع کر کے سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس قدیم اور قیمتی کتبخانہ کے برباد کرنے اور جلانے کا الزام لگایا ہے۔ یہ عیسائی مورخین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کو ہمیشہ غلط طریقہ پر پیش کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہ الزام بھی اسی ناپاک کوشش کا ایک حصہ ہے۔ یہاں تک کہ ان عیسائیوں نے ایک فرضی اور جعلی خط بھی حضرت فاروق اعظم رض کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ آپ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استفسار

جواباً تحریر فرمایا کہ "جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ کتابیں کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔ اور اگر وہ کتاب اللہ کے مخالف ہیں تو برباد کر دینے کے لائق ہیں۔ اس لئے تم انہیں برباد کرنا شروع کر دو۔" اس مسئلہ پر مورخین نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں۔ اور اس روایت اور خط کا فرضی اور جعلی ہونا ایک حقیقت بن کر سامنے آچکا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اس کتب خانہ کا بڑا حصہ "سیزر" کے عہد میں، اور بقیہ حصہ ۳۹۱ء میں "تھیوڈوسس" کے زمانہ میں برباد ہو چکا تھا اور جل چکا تھا۔ اسلامی فتوحات کے وقت کتب خانہ کی صرف دیواریں باقی تھیں کتابوں کا کہیں وجود ہی نہ تھا کہ اس کے برباد کرنے یا جلانے کا سوال پیدا ہو۔

اسکندریہ میں شاہ فاروق کے دو محل ہیں۔ شاہ موصوف موسم گرما میں چار ماہ یہاں گزارا کرتے تھے۔ "قصر المنتزہ" خود شاہ فاروق کا بنوایا ہوا محل ہے ۱۹۲۶ء میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ اور ۱۹۲۹ء میں اس کی تکمیل ہوئی۔ محل کے دونوں جانب سمندر ہے۔ اور احاطہ کے اندر برتغال (موسمی) وغیرہ کے بہترین باغات ہیں۔ پھر اعلیٰ قسم کا چمن، اور درمیان میں سہ منزلہ محل۔ اعلیٰ قسم کی عشرت گاہ، اس کی بناوٹ اور سجاوٹ کو بیان کرنے کیلئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ بے چارہ واجد علی شاہ تو بے کار ہی بدنام ہے۔ اس کی کیا حیثیت کہ شاہان مصر کا مقابلہ کر سکے۔ یہ قیصر باغ لکھنؤ کی عمارتوں سے تو شاہ فاروق کے غسل خانے کہیں اچھے ہیں۔ محل کی وسعت اور کمروں کی کثرت کا یہ حال ہے کہ میرے نزدیک یہی مسئلہ قابل غور رہا کہ دس بیس اشخاص کا خاندان اتنے بڑے محل کو استعمال کس طرح کرتا ہوگا۔ اس محل کو بھی حکومت

مصر نے قصر عابدین کی طرح عبرت گاہ بنا رکھا ہے۔ شاہ فاروق محل کو جس طرح چھوڑ گئے ہیں آج بھی اسی طرح ہے۔ سیاح آتے ہیں اور پچیس قرش کا ٹکٹ لے کر محل دیکھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس محل پر سات لاکھ گینی خرچ آیا ہے۔ ایسے محلوں میں رہنے کے بعد خدا کو یاد رکھنا بہت مشکل ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح فرمایا "تبنون القصور وتنسون القبور" بڑے بڑے محل بنائیں گے اور قبر کو فراموش کر دیں گے۔ میں نے اس محل کو دیکھ کر کہا کہ ایسے محل میں رہنے کے بعد زوال ہی آنا چاہیے۔

مامون الرشید کے حالات میں بعض مورخین نے لکھا ہے کہ مامون کے محل میں سات حلقے تھے۔ ہر حلقہ میں فوجیں تھیں اور ہر فوج کی وردی علٰحدہ علٰحدہ تھی۔ اس کے بعد مصنوعی باغات تھے جن میں درختوں کے پتے سونے سے بنائے گئے تھے اور اس میں جواہرات کے پھل لگائے گئے تھے ان باغات کے بعد مامون کا محل شروع ہوتا تھا۔ دنیا جانتی ہے کہ مامون کے بعد ہی سے خلافت عباسیہ کا زوال شروع ہو گیا۔ تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا۔ مصر میں انقلاب آیا اور قصر منترہ اور قصر عابدین میں رہنے والے شاہ فاروق کو مصر چھوڑنا پڑا اور اب وہ اٹلی میں اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔

۲۵ مارچ کو اسکندریہ سے واپسی ہوئی۔ ظہر کے وقت طنطا پہنچے۔ یہ بھی مصر کا بڑا شہر ہے لیکن یہاں کے بازاروں میں ابتک قدامت کے اثرات بہت حد تک پائے جاتے ہیں۔ شہر کا یہ وہ مشہور شہر ہے جہاں بڑے بڑے علماء و مشائخ پیدا ہوئے سید احمد بدوی علیہ الرحمۃ کا مزار مبارک اسی طنطا میں ہے اور مصر کے بڑے

حصے میں آپ ہی کا سلسلہ جاری ہے شیخ موصوف آٹھویں یا نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں آپ کے متعلق مصر میں ایک حکایت مشہور ہے کہ سید بدوی روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوئے۔ اور یہ درخواست کی کہ مجھے دست مبارک کو بوسہ دینے کا موقع دیا جائے کئی دنوں کی مسلسل درخواست کے بعد دست مبارک باہر نکلا اور شیخ بدوی علیہ الرحمۃ نے بوسہ لیا۔ تفسیر طنطاوی کے مصنف بھی اسی شہر کے رہنے والے تھے۔ ہم سب سے پہلے سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں پہنچے، جماعت ہو چکی تھی۔ وضو کیا۔ اور ظہر کی نماز پڑھی۔ مسجد میں ایک جانب وضو خانہ ہے اسی سے قریب پاخانے اور استنجا خانے بنے ہوئے ہیں لیکن لوگ وضو والے نلوں سے طہارت حاصل کرتے ہیں۔ بڑے استنجا کے بعد بھی اور چھوٹے استنجے کے بعد بھی! اور پھر ایسی حالت میں کہ کچھ لوگ اسی جگہ بیٹھے وضو کر رہے ہیں۔ اور کچھ آس پاس کھڑے ہیں۔ مجھے تو اس بے حیائی سے بڑی کراہت معلوم ہوئی۔ مغرب سے کافی پہلے ہم لوگ قاہرہ پہنچے۔

آج ہندوستان کے انفارمیشن آفس میں ہندوستانی وفد کے اعزاز میں پارٹی تھی۔ بعد مغرب وہاں جانا ہوا۔ ناشتہ بالکل ہندوستانی طرز کا تھا سیو، سنگھاڑے، دال موٹھ، برفی، اور رس گلے، وغیرہ سے ضیافت کی گئی۔ اسی موقع پر کلیہ دار العلوم کے عمید ڈاکٹر محمود قاسم اور اسی کلیہ کے استاد لغت شیخ عمر الدسوقی سے ملاقات ہوئی۔ دیر تک باتیں رہیں انہوں نے کلیہ دار العلوم آنے کی دعوت دی

اسکندریہ کے سفر پر سرکاری پروگرام ختم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ۱۳ مارچ تک ہمارا قیام قاہرہ میں رہا۔ گرچہ اس زمانہ میں بھی حکومت مصر ہی کے مہمان رہے لیکن اپنے بنائے ہوئے پروگرام پر لوگوں سے ملتے رہے۔ اور مصر کے اہم آثار دیکھتے رہے

۲۶ مارچ کو نئی پارلیامنٹ کا پہلا اجلاس ہوا۔ صدر جمہوریہ جمال عبدالناصر نے تمہیدی تقریر کے بعد مصر کا نیا قانون پیش کیا اور قانون کی ہر ایک دفعہ کو پڑھ کر سنایا پہلی دفعہ یہ تھی کہ "حکومت مصر کا مذہب اسلام ہوگا" اور دوسری دفعہ میں یہ بتلایا گیا تھا کہ "حکومت مصر کی زبان عربی ہوگی" ان دونوں دفعات پر پارلیامنٹ میں غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اور کافی دیر تک تالیاں بجتی رہیں اور پارلیامنٹ کے ایک سن رسیدہ ممبر نے اٹھ کر صدر جمہوریہ کا منہ چوم لیا۔

صدر جمہوریہ نے مصر کے سابق دستور کو منسوخ کر کے نئے دستور کا اعلان کیا ہے۔ یہ دستور [illegible] کیلئے ہے جب تک کہ نئی قومی اسمبلی مستقل دستور مرتب نہ کرلے اس عبوری دستور میں اعلان کیا گیا ہے کہ تمام طبقاتی امتیازات ختم کردیئے جائیں گے اور ہر فرد کو مساوی حقوق حاصل ہونگے اور عوام ہی دستوری حیثیت سے اقتدار کا سرچشمہ بنیں گے۔ مصری معاشرہ خاندان پر قائم ہوگا اور دین اور اخلاق اور وطنیت اس کی بنیاد ہوگی۔ ملک کی اقتصادیات اشتراکی نظام پر مبنی ہوگی ہر مصری شہری بڑھاپے، بیماری، بے روزگاری وغیرہ کی صورت میں حکومت سے وظیفہ پانے کا مستحق ہوگا۔ کسی کو قانونی کارروائی کے بغیر گرفتار یعنی نظربند نہیں کیا جائے گا۔ پرائمری سے لے کر یونیورسٹی تک کی تعلیم مفت ہوگی۔ سیاسیات میں حصہ لینا ایک قومی فریضہ ہوگا۔ قومی اسمبلی کے آدھے ممبران وہ مزدور کسان ہوں گے جو واقعتاً مزدوری کرتے اور ہل چلاتے ہیں۔ قومی اسمبلی کے لئے صدر جمہوریہ کو دس ارکان کے نامزد کرنے کا حق ہوگا۔ صدر جمہوریہ کوئی پیشہ یا کاروبار نہیں کرسکے گا۔ اسے حکومت کی جائیداد خریدنے یا اپنی جائیداد حکومت کو کرایہ دینے یا تبادلہ کرنے کا حق نہ ہوگا۔ صدر جمہوریہ پر خاص عدالت میں مقدمہ بھی چلایا جاسکتا ہے،

اور نتیجے کے طور پر برطرفی کے علاوہ اسے سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ صدر مسلح افواج کا کمانڈر
انچیف ہوگا۔ اور وہ معاہدے بھی کر سکے گا لیکن ان معاہدات کو قومی اسمبلی میں پیش کرنا
ہوگا۔ صدر ملک میں ہنگامی حالات کا بھی اعلان کر سکتا ہے اور ہنگامی قانون (آرڈیننس
(ORDINANCE) بھی نافذ کر سکتا ہے لیکن آرڈیننس کو لازمی طور پر پندرہ دن
کے اندر اندر اسمبلی میں پیش کر کے منظور کرانا ہوگا۔ صدر قومی اسمبلی کی منظوری کے بعد اعلانِ
جنگ کا بھی اختیار رکھتا ہے ——— یہ آئین اسلامی تو نہیں ہے لیکن اسلامی نقطۂ نگاہ
سے بہت مایوس کن بھی نہیں ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ مصر جمہوریت کی راہ اختیار کریگا۔

مصری ریڈیو اسٹیشن کے کارکنوں کا تقاضہ تھا کہ میں ریڈیو پر تقریر کروں۔
میں نے وعدہ تو کر لیا لیکن ساتھ ہی ساتھ ریڈیو اسٹیشن جانے سے معذرت کر دی
یہ حضرات بھی اپنے ارادے کے پکے نکلے اور ریکارڈنگ مشین میرے کمرے ہی میں
اٹھا کر لے آئے کہ اب اسی پر بول دیجئے۔ ہم اسی کے ذریعہ آپ کی تقریر ریڈیو سے
نشر کر لیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میں نے بارہ منٹ کی مختصر سی ایک تقریر کر دی
اور وہ ریکارڈ ہو کر مصر کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی گئی۔ تقریر میں کچھ مصر کے حالات
اور اس پر اپنے تاثرات بیان کئے گئے تھے۔ یہ تقریر اردو میں کی گئی تھی اور اردو
پروگرام ہی میں نشر بھی ہوئی۔

دو دن ہم نے مصر کے عجائب خانوں کی سیر کی۔ قاہرہ میں ایک عجائب خانہ
"متحف الفن الاسلامی" کے نام سے ہے۔ اس عجائب گھر میں مختلف دور کی مسلم
حکومتوں کی یادگاریں جمع کی گئی ہیں جن سے اس دور کی تہذیب، معاشرت، اور
مختلف صنعتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ یادگاروں میں زیورات، سکے، ظروف، قندیلیں

فانوس، جنگی سامان، لکڑی کی بنی ہوئی چیزیں مثلاً دروازہ، میز، کواڑ وغیرہ رکھے گئے ہیں۔ فاطمیین کے زمانہ کی چیزوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مجسموں اور ظروف پہ تصویروں کا رواج اس دور میں تھا۔ لکڑی کا کام اور لوہے پر مینا کاری بھی عمدہ ہوتی تھی۔ اس عجائب خانہ میں ایک تلوار بھی ہے۔ اس کے متعلق درج ہے کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تلوار ہے اور اسی کا نام ذوالفقار ہے۔ تلوار ہلکی، خوبصورت اور پوری تلوار میں طولاً آدھ انچ چوڑی پھولداری سنہرے رنگ کی لیکن تلوار کچھ زیادہ پرانی نہیں معلوم ہوتی۔ چینی کا بنا ہوا ایک منقش مصلیٰ بھی عجائب خانہ میں ہے۔ جیسے اس زمانہ میں ٹائل ہوتا ہے۔ شیخ بوعلی سینا کی ایک طبی کتاب بھی ہے۔ جس میں جڑی بوٹیوں کو تصویروں کے ذریعہ بتلایا گیا ہے۔ مملوکی دور کی کعبۃ اللہ کی ایک کنجی بھی ہے جس کا طول ایک فٹ سے کم نہ ہوگا۔ کنجی پر "ان اول بیت وضع للناس" لکھا ہوا ہے اور اسی دور کا ایک اسطرلاب بھی عجائب خانہ میں موجود ہے۔ اسی عجائب گھر کی عمارت میں دوسری طرف مصر کا مشہور کتب خانہ "دار الکتب المصریۃ" ہے۔ اس کتب خانہ میں کتابوں کے نکالنے اور رکھنے کے لئے کارڈ سسٹم جاری ہے مخطوطات بھی کافی ہیں۔ مخطوطات کی مطبوعہ فہرست دو جلدوں میں ہے۔ دوگنی مصری میں مل سکتی ہے۔ لیکن پیسے کہاں تھے کہ خرید لیتا۔ مختلف عہد کے قلمی قرآن مجید بڑے سلیقہ سے رکھے گئے ہیں۔ سلطان [illegible] بن قلاوون کے عہد کا قرآن بھی دیکھا۔ ان کا زمانہ ۶۹۳ھ تا ۷۴۱ھ ہے۔ تیسری کا قرآن بخط کوفی بھی موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری میں بھی خط کوفی

رائج تھا۔ دوسری صدی ہجری کا ایک قرآن ہے جس کے پہلے پندرہ پاروں کے متعلق درج ہے کہ یہ پندرہ پارے حضرت جعفر صادقؓ متوفی ۱۴۸ھ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ قرن اول کا بھی ایک قرآن مجید بخط کوفی موجود ہے۔ جس پر نہ اعراب ہے اور نہ نقطہ، اور نہ سورتوں کے نام ہیں۔ نہ آیات کے عدد ہیں۔ قرآن مجید کی جلدیں ترکوں کے زمانہ کی بنی ہوئی اس کتب خانہ میں موجود ہیں اور آج بھی اس کا سنہرا اور روپہلا رنگ نہ روغن تازہ معلوم ہوتا ہے

ایک دن شیخ لقمان الہندی کے یہاں کھانا کھانے کا اتفاق ہوا۔ شیخ موصوف جامعہ القاہرہ میں اردو کے استاذ اور ازہر میں شیخ رواق الہنود ہیں۔ بڑی خوبیوں کے بزرگ ہیں ان کا کمرہ قدیم علماء کی حالت کی یاد تازہ کرتا ہے۔ ایک ہی کمرہ میں رہنا سہنا، کھانا پکانا، اور لکھنا پڑھنا سب کچھ ہوتا ہے۔ دو میزوں پر کتابوں کا ڈھیر ہے۔ ایک طرف مسہری پڑی ہوئی ہے۔ شیخ نے ہندوستانی طریقہ پر مرغ پکوایا تھا جس میں مرچیں بھی تھیں۔ بیس پچیس دنوں کے بعد آج ہی مرچ والا ہندوستانی کھانا ملا۔ خوب کھایا گیا۔ شیخ عبد المنعم النمر بھی بڑے اصرار کے ساتھ اپنے یہاں لے گئے۔ ان کا سہ منزلہ مکان قاہرہ کے آخر حصہ "مشیرا" میں واقع ہے۔ نیچے کی دو منزلیں کرایہ پر اٹھی ہوتی ہیں۔ تیسری منزل میں شیخ خود رہتے ہیں۔ پانچ چھ کمروں کا مکان ہے۔ خاصہ بڑا اور سجا ہوا۔ ہندوستان میں رہ کر شیخ نے ہندوستان کی تاریخ کا اچھا مطالعہ کیا ہے۔ اپنی ایک زیر طبع کتاب "جہاد المسلمین فی تحریر الہند" [ہندوستان کی جد وجہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ] کے مختلف حصے سناتے رہے اور گھنٹوں اپنی

کتاب کے بنیادی واقعات و نکات پر گفتگو کرتے رہے۔ موصوف نے کوشش کی تھی کہ کھانا ہندوستانی ذوق کا ہو۔ ان کی اہلیہ ہندوستان رہ چکی ہیں۔ اور اپنے خیال میں ہندوستان کے کھانے سے واقف ہیں چاول بھی پکوائے تھے۔ لیکن ہمیں تو اس میں بھی مصری ہی کھانے کا مزہ ملا۔ شیخ ہی کے یہاں ٹیلیویژن کا سٹ بھی دیکھا۔ معلوم ہوا کہ مصری ٹیلیویژن سٹ سات آٹھ سو روپیہ میں مل جاتا ہے۔ یہ قیمت اس کی لاگت سے بھی کم ہے۔ چونکہ حکومت چاہتی ہے کہ ٹیلیویژن ہر مصری کے گھر میں پہنچ جائے اس لئے نقصان برداشت کرتی ہے۔ شیخ کے یہاں کافی دیر ہو گئی۔ اور ایک بجے شب کو واپسی ہوئی۔

ایک دن شام کو سید ابو نصر صاحب فندق اطلس تشریف لائے اور ایک کتاب دکھلائی جس کا نام "خمسۃ سنین فی معاقل الاسر" ہے۔ عبدالرحمٰن الصباحی اس کے مصنف ہیں۔ یہ بھی مالٹا میں نظر بند کئے گئے تھے اس کتاب میں انہوں نے اپنی نظر بندی اور اسارت، اور مالٹا کے رفقاء کے حالات لکھے ہیں۔ کتاب میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر حال بھی ہے۔ اور صفحہ ۹۴ پر آپ کا فوٹو بھی ہے۔ فوٹو میں حضرت شیخ الہند بیٹھے ہوئے مسکرا رہے ہیں اور ایک دانت کچھ باہر نکلا ہوا ہے۔ بال بالکل سفید اور قد کافی چھوٹا۔ آج پہلی مرتبہ آپ کی تصویر دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ یقیناً یہ تصویر آپ کے علم و اطلاع کے بغیر لی گئی ہوگی۔

ایک دن اہرام دیکھنے گیا یہ اہرام قاہرہ سے سات میل کے فاصلہ

"جیزہ" کے علاقہ میں ہے۔ یہ سمجھئے کہ یہ فراعنہ مصر کا قبرستان ہے اور اہرام فراعنہ کا مقبرہ۔ جیزہ میں متعدد چھوٹے مقبرے ہیں۔ اور تین بڑے مقبرے تین پہاڑیوں پر ہیں۔ فراعنہ کے زمانہ میں ان کی نعشوں کو محفوظ کرنے کا طریقہ جاری تھا۔ انہوں نے ایک مصالحہ ایجاد کیا تھا، اُسے نعش پر لگاتے تھے۔ اور پھر پوری نعش کو کپڑے سے لپیٹتے تھے۔ اسی طریقے کا نام "ممی" کرنا ہے۔ یہ ممی کی ہوئی نعشیں لکڑی کے صندوقوں میں رکھتے تھے۔ اور اس کو بند کرکے بالائی حصے پر اس مرے ہوئے فرعون کا مجسمہ بناتے تھے پھر لکڑی کے اس تابوت کو پتھر سے بنی ہوئی پختہ قبر میں رکھ کر قبر کے اوپر ایک بڑا پتھر رکھ دیا کرتے تھے، اس "ممی" کے سلسلے میں ان کا فلسفہ یہ تھا کہ اگر یہ مصالحہ لگا کر نعشوں کو بند کر دیا جائے اور پچاس سال تک اس میں ہوا نہ لگے تو ہزاروں سال تک یہ نعش محفوظ رہ سکتی ہے۔ فراعنہ کی اس طرح کی قبروں پر مقبرہ بنانے کا رواج تھا۔ کافی بڑے رقبہ میں قبر کے چاروں طرف پتھر کی چوپہل دیواریں کھڑی کی جاتی تھیں اور ان دیواروں پر چوپہل گنبد بنتا تھا قبر اور مقبرے کی دیوار کے درمیان تہہ خانے کھود دیے جاتے تھے اور ان میں مرے ہوئے فرعون کا ضروری سامان محفوظ کر دیا کرتے تھے۔ جیزہ کے یہ اہرام بھی اسی انداز کے ہیں، اہرام کی چوٹی سطح زمین سے تقریباً پانچ سو فیٹ اونچی ہوگی۔ ان اہراموں کے بنانے میں چار یا پانچ من سے لے کر بیس پچیس من تک کے پتھر استعمال کیے گئے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فراعنہ کے زمانہ میں جر ثقیل اور کران یا کوئی اسی قسم کی چیز موجود تھی جس سے ان وزنی پتھروں کو اتنی بلندی تک پہنچایا گیا ہے۔ اہرام کے ان پتھروں کو جوڑنے میں ایسا مصالحہ استعمال

کیا گیا ہے کہ چار چار ہزار برس گزر جانے کے بعد بھی اہرام جوں کے توں ہیں۔ نہ کہیں شگاف ہے نہ پھٹن۔ لوگ کہتے ہیں کہ نپولین نے جب مصر پر حملہ کیا تو اس نے اہرام کو توڑنے کی کوشش کی لیکن بڑی کوششوں اور محنت کے بعد دس پانچ فیٹ توڑ سکا۔ اور "کوہ کندن" کاہ برآوردن" سمجھ کر چھوڑ دیا۔ یہ اہرام دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اتنی قدیم عمارت پورے عالم میں دوسری نہیں۔ اس وقت بھی یہ اہرام تماشہ گاہ عام بنا ہوا ہے۔ روزانہ سیکڑوں اشخاص دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ خاص طور پر یوروپین سیاحوں کی آمد و رفت تو ہر وقت جاری رہتی ہے۔ انہی اہرام کے نشیب میں تھوڑے فاصلے پر "ابوالہول" کا مجسمہ ہے یہ غالباً مختلف دھاتوں سے ملا کر بنایا گیا ہے۔ اس مجسمہ کا چہرہ انسانوں جیسا جسم شیر کی طرح اور چاروں پیر گھوڑے کی طرح ہیں۔ دراصل یہ فراعنہ کا قومی نشان ہے۔ جیسے ہندوستان کا نشان شیر کے چہروں کی قسم تصویریں۔ (اشوک کی لاٹ) ہے۔ فراعنہ مصر نے ابوالہول کو اپنا قومی نشان بنا کر یہ بتلانا چاہا ہے کہ ہمارے پاس دماغ انسانوں کا ہے اور جسمانی طاقت میں ہم شیر کی مانند ہیں اور ہماری ترقی کی رفتار گھوڑے کی رفتار جیسی ہے۔ اس وقت اگر آپ دیکھیں گے تو ابوالہول کی ناک ٹوٹی ہوئی معلوم ہوگی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ ناک نپولین ہی نے توڑی ہے۔

ہم متحف مصری بھی گئے یہاں اور بہت سی چیزوں کے ساتھ فراعنہ مصر اور ان کے اہل و عیال کی ممی کی ہوئی نعشیں رکھی ہیں جو فراعنہ کے قبرستان سے نکال کر لائی گئی ہیں۔ زیادہ تر نعشیں تو سر سے پیر تک کپڑے میں لپٹی ہوئی
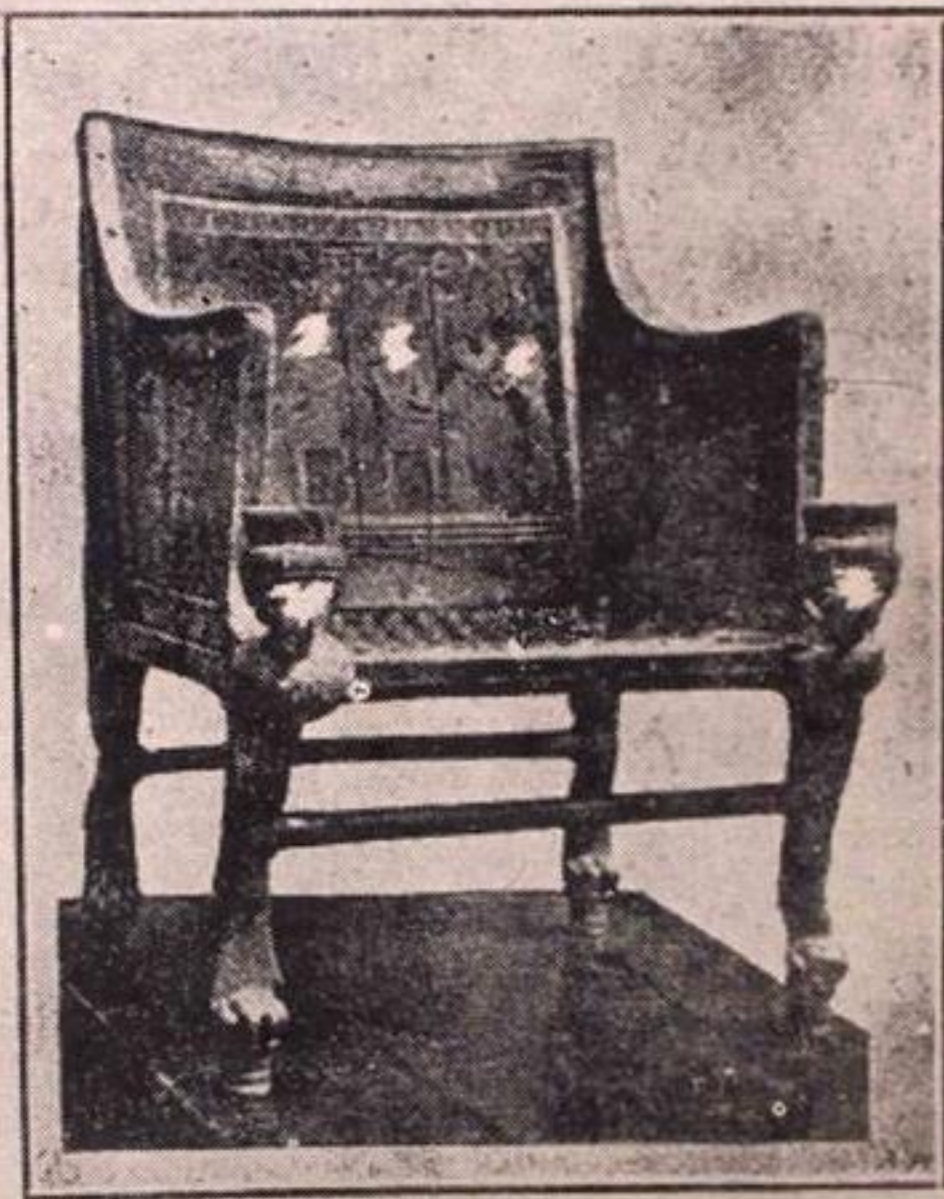
(کرسی مصری قدیم)

بدار الآثار المصریة رسم ف . د . بیریز

(مثال من دقة فن النجارة عند قدماء المصریین)

پونے چار هزار سال قبل کی کرسی
قدیم مصری صنعت کا اعلیٰ نمونہ
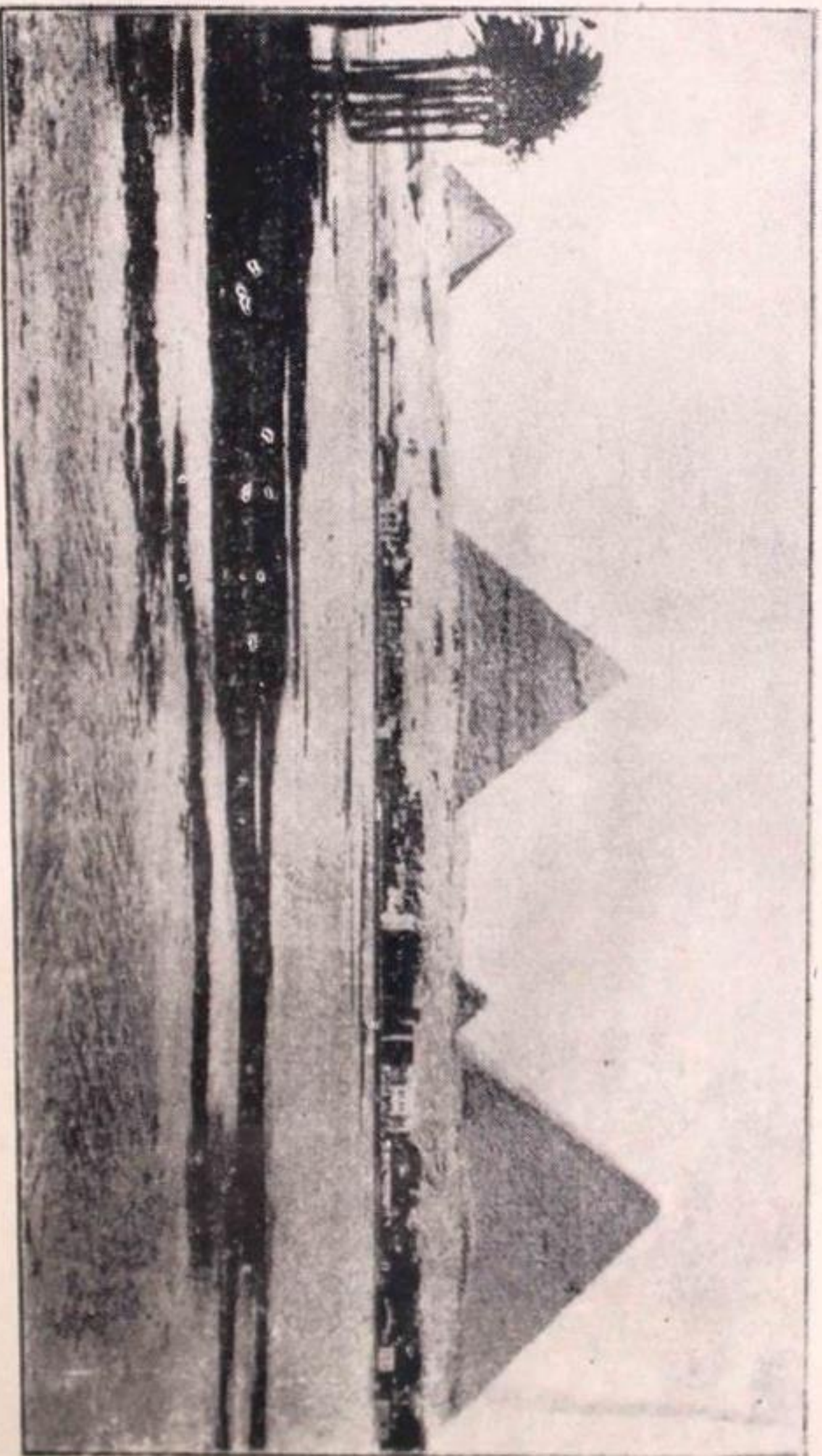
قاهرہ سے ۹ میل کی دوری پر جیزہ کے اہرام جہاں فراعنہ مصر مدفون ہیں

ہیں۔ لیکن کچھ نعشیں ایسی بھی ہیں جن کے بعض حصے "ممی" خراب ہو جانے کے باعث کھل گئے ہیں۔ جو حصے کھلے ہوئے ہیں ان پر گوشت پوست نہیں ہیں ہاں ہڈیوں کا ڈھانچہ ہوا ہے۔ ایک فرعون کی بیوی کی نعش ہمیں خاص طور پر دکھلائی گئی جس کا چہرہ کھل گیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گوشت پوست بھی باقی ہے سکڑے پچکے ہوئے نہیں ہیں۔ سر پر بال اور منہ میں دانت موجود ہیں۔ آنکھوں میں دیدے بھی ہیں لیکن پتھر جیسے بے نور۔ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ تین ہزار برس سے اوپر کی نعش آج تک اسی طرح محفوظ ہے۔ عجائب خانے کے اسی کمرے میں فرعونِ موسیٰ کی نعش بھی شیشے کے بکس میں رکھی ہوئی ہے اس کا چہرہ ایک ہاتھ کا پنجہ اور ایک قدم کھل گیا ہے۔ چہرے پر نیچے پر تو گوشت پوست نہیں ہے صرف ہڈیوں کا صحیح و سالم ڈھانچہ ہے۔ لیکن پیر کی انگلیوں میں بڑے بڑے ناخن آج بھی موجود ہیں۔ عبرت ہوئی کہ خدائی کا دعویٰ کرنیوالا فرعون آج اس طرح پڑا ہوا ہے۔

متحف مصری میں تہہ خانوں سے نکلا ہوا فراعنہ کا خاص خاص سامان بھی

لہ اصل میں یہ لفظ "فارا" "اوہ" تھا۔ مصری زبان میں "فارا" کے معنی محل اور "اوہ" کے معنی اونچا، اور بڑا اس طرح فارا اوہ کے لغوی معنی عظیم الشان محل کے ہیں لیکن قدیم مصری اپنی بول چال میں مصر کے بادشاہ کو "فارا۔ اوہ" کہتے تھے۔ جیسے خلافت عثمانیہ میں خلیفہ اور بادشاہ کو "باب عالی" کہتے تھے۔ کثرت استعمال نے "فارا۔ اوہ" کو فرعون بنا دیا۔ عہد فراعنہ کے ہر مصری بادشاہ کو فرعون کہتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون یعنی شاہ مصر "ابوفس" تھا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام "منفتاح" ہے۔

کثرت سے موجود ہے۔ لوہے کی بنی ہوئی مسہریاں جیسی ہسپتالوں میں مریضوں کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ متعدد موجود ہیں۔ بعض مسہریوں پر جابجا سونے کے پتر لگے ہوئے ہیں۔ اور بعض تو پوری سونے ہی کی معلوم ہوتی ہیں۔ فرعون کی سواری جس میں گھوڑا جوتا جاتا تھا بالکل لینڈو یا فٹن جیسی۔ فرعون کے بیٹھنے کی کرسی ایسی عمدہ بنی ہوئی کہ شاید اس دور میں بھی اس سے بہتر بننا مشکل ہے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ فراعنہ کے زمانے کا تمدن کافی اونچا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بت سازی اور مجسمہ سازی کا بڑا زور تھا اور شاید انہیں چیزوں نے فرعون موسیٰ کو خدائی کے دعووں تک پہنچایا۔ اور اس وقت بھی تصویر کشی اور مجسمہ سازی کا ذوق کچھ کم نہیں ہے۔ کسی جلسہ یا تقریب میں جائیے تصویر کھینچنے والے (فوٹوگرافر) اس طرح آکر گھیرتے ہیں کہ بچنا مشکل ہے۔ اور ابھی حال میں قاہرہ کا نیا ریلوے اسٹیشن تعمیر ہوا ہے۔ اس کے سامنے مشہور فرعون "رمیسس ثانی" کا مجسمہ بڑی شان وشوکت سے نصب کیا گیا ہے۔ قاہرہ میں ان چیزوں کو دیکھتے دیکھتے دل گھبرا گیا۔ بس اب حجاز کی طرف روانگی کا پروگرام ہے۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی تو غالباً ۲۶ ر کو قاہرہ سے واپس ہو چکے تھے۔ میں اور حضرت مولانا طیب صاحب مدظلہٗ ۳۱ ر مارچ کی شام کو مولانا اسمٰعیل الندوی المدراسی کے مکان چلے آئے۔ وہیں جماعت سے عشاء کی نماز پڑھی، کھانا کھایا اور میں تو قرآن سنتے سنتے سو گیا۔ شب کو بارہ بجے کے بعد ازہر کے بعض ذمہ دار اور حکومت مصر کے بعض اہل کار پہنچے اور ہم لوگوں کو ہوائی اڈہ لے گئے۔ ہندوستانی طلبہ بھی اچھی خاصی تعداد میں ہمیں پہنچانے

ہوائی اڈہ تک آئے۔ شیخ لقمان الہندی نے بھی اپنی پیرانہ سالی کے باوجود زحمت
گوارا کی اور مجھے مطار (ہوائی اڈہ) پر مصر کے نوادر اور آثار کا ایک البم
ہدیۃً پیش کیا۔ شیخ صالح بن باذیر بھی ہمیں رخصت کرنے آئے۔ یہ یمن
حضر موت کے رہنے والے ہیں دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور اس وقت
ازہر یونیورسٹی کے "کلیۃ الشریعۃ" میں داخل ہیں۔ موصوف کے ذریعہ
ہمیں قاہرہ میں خاص کر ہوائی جہاز کے ٹکٹ کے سلسلے میں بڑی آسانی ہوئی
اور انھوں نے ہمیں ہر قدم پر سہولتیں بہم پہنچائیں۔ قاہرہ کا ہوائی اڈہ بھی خاص کر
رات کے وقت دیکھنے کی چیز ہے۔ سنا ہے دنیا کے چند منتخب ہوائی اڈوں میں
سے ایک ہے۔ ہوائی جہاز لیٹ تھا۔ ہم لوگوں نے یکم اپریل ۱۲ بجے صبح کو پرواز کی
اور پانچ بج کر چالیس منٹ میں جدہ پہنچے۔ قاہرہ سے جدہ سترہ سو کیلو میٹر ہے۔ یہ پہلا
جہاز تھا جو حاجیوں کو لے کر جا رہا تھا۔ اور جس میں ہم دو ہندوستانی تھے اور باقی
سب کے سب مصری مرد اور عورتیں، عورتیں دعائیں مانگ رہی ہیں۔ قرآن کی
سورتیں پڑھ رہی ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہیں۔ دو برس سے مصری حج کو
نہیں جا رہے تھے۔ اس سال حج کی راہ کھلی تو ذوق و شوق بھی زیادہ ہے اور
جانے والے بھی زیادہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ قاہرہ میں حج کے لئے پینتالیس ہزار درخواستیں
موصول ہوئی ہیں لیکن ایکسچینج کی دقت کے باعث اٹھارہ ہزار درخواستیں منظور
کی جا سکیں۔ حجاز میں لوگ کہتے ہیں کہ مصری حج کا مصالحہ ہیں۔ ساری دنیا آجائے
اور مصر نہ آئے تو حج بے مزہ ہے۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ نے قاہرہ
سے تار دیدیا تھا۔ جدہ کے ہوائی اڈہ پر جناب محمد نور صاحب موجود تھے۔ جدہ میں

عبدالغنی نورولی" ایک بڑا فرم ہے۔ یہ لوگ گجرات کے رہنے والے ہیں۔ عرصہ سے حجاز میں مقیم ہیں اور مختلف قسم کے سامانوں کی درآمد و برآمد کا کام کرتے ہیں۔ ڈے لائٹ (DAY LIGHT) اسٹوز (STOVE) وغیرہ کے سول ایجینٹ ہیں۔ جدہ میں مسجد معمار کے پاس انہوں نے ایک پانچ منزلہ مکان لے لیا ہے۔ اسی میں دکان بھی ہے اور قیام بھی۔ یہ وہی مکان ہے جس میں ترکوں کے زمانہ میں گورنر رہا کرتے تھے۔ یہ کئی بھائی ہیں۔ ماشاءاللہ سب کے سب دیندار، خلیق اور مہمان نواز ہیں۔ ہم لوگ جدہ کے ہوائی اڈہ سے انہیں کے یہاں گئے اور پھر اسی دن آٹھ بجے حجازی وقت سے مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہو گئے۔ حجاز میں غروب آفتاب کے وقت بارہ بجاتے ہیں اور مغرب کی نماز ہوتی ہے۔ عشاء کی اذان ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور پندرہ منٹ کے بعد نماز۔ ساڑھے آٹھ بجے شب کو تہجد کیلئے اذان دی جاتی ہے اور سوا دس بجے فجر کی اذان اور پونے گیارہ بجے نماز ہوتی ہے۔ دن کو ساڑھے چھ بجے ظہر اور ساڑھے نو بجے عصر کی نماز پڑھتے ہیں۔ مصر و حجاز کے اوقات میں نصف گھنٹہ کا فرق رہتا ہے اور حجاز و ہندوستان میں ساڑھے تین گھنٹوں کا۔ ہم لوگوں نے ظہر کے بعد حجازی وقت سے ٹھیک آٹھ بجے جدہ سے پرواز کی اور ایک گھنٹہ میں مدینہ طیبہ کے مطار پر اترے۔ اس وقت بھی ہم دو کے سوا باقی سب کے سب مصری حجاج تھے۔ مطار سے مدینہ طیبہ سات کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ ہوائی کمپنی کی لسن پر مدینہ طیبہ کے لئے روانگی ہوئی۔ کچھ دور آگے بڑھنے کے بعد گنبد خضرا نظر آیا۔ پھر اس چھوٹے سے قافلے کے جوش و خروش اور وارفتگی کا منظر قابل دید تھا۔ ہر شخص کی زبان پر درود شریف
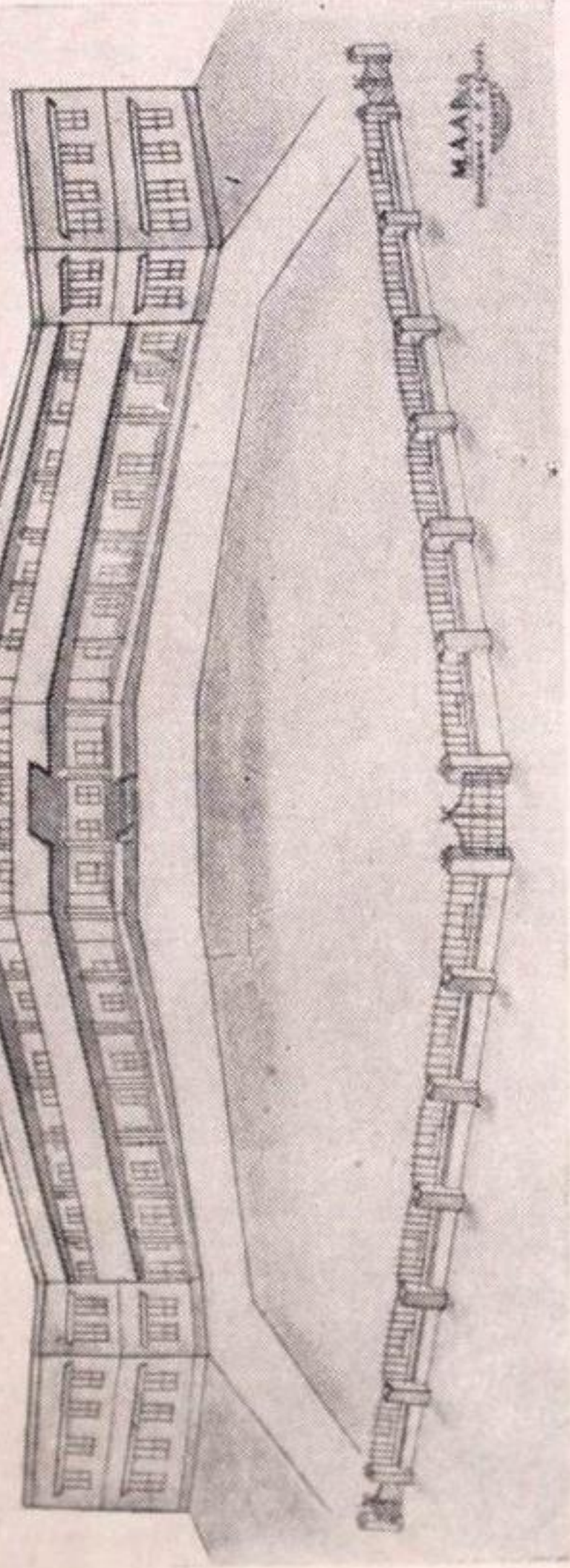
حکیم احمداللہ خاں صاحب کی سابق حویلی جس زمین پر تھی آج وهیں مشرقی هند کی عظیم الشان درس گاہ جامعہ رحمانی مونگیر کی یہ عظیم الشان عمارت بنائی گئی ھے - دیکھئے صفحہ ۱۲۱

اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مصری عورتوں نے نعتیہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے جس سے کیف و سرور میں اضافہ ہوا۔ ہماری بس ٹھیک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رُکی۔ میں اتر کر پوچھتا ہوا ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کے یہاں گیا۔ موصوف مونگیر ہی کے رہنے والے ہیں۔ ان کے والد جناب حکیم مولوی احمد اللہ خانصاحب مرحوم مونگیر کے رئیسوں میں تھے۔ اور تقویٰ و پرہیزگاری میں ممتاز۔ والد ماجد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری قدس اللہ سرہٗ کے پیر بھائی تھے۔ والد ماجد علیہ الرحمہ کو کانپور سے مونگیر لانے والے جناب حکیم احمد اللہ صاحب مرحوم ہی ہیں۔ حکیم صاحب مرحوم ہی کے باغ میں آج خانقاہ رحمانیہ آباد ہے۔ حکیم احمد اللہ خانصاحب مرحوم کی ڈیوڑھی خانقاہ رحمانی کے جنوب میں واقع تھی۔ آپ کی اولاد منتشر ہو گئی ڈیوڑھی ویران ہو گئی اور گرنے پڑنے لگی لیکن حکیم صاحب مرحوم کے اخلاص اور حسن عمل کی بدولت یہ ویرانہ جلد ہی آباد ہو گیا اور احمد اللہ خانصاحب کے مسکن پر آج شمالی ہند کی ممتاز درسگاہ "جامعہ رحمانی، خانقاہ۔ مونگیر" کی عظیم الشان عمارت کھڑی ہے۔ جہاں دن و رات کے اکثر و بیشتر حصہ میں قال اللہ وقال الرسول کی آواز گونجتی رہتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب اور احمد اللہ خانصاحب مرحوم کے نواسے نواب زادہ شہاب الدین احمد خانصاحب نے اس مسکن میں اپنا اپنا حصہ فی سبیل اللہ جامعہ رحمانی کو زبانی ہبہ کر دیا۔ اور اس طرح یہ دو حضرات اس جد و جہد میں برابر کے شریک ہیں جو علم دین کی اشاعت اور تبلیغ اسلام کیلئے جامعہ رحمانی کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ حضرات اجر و ثواب میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہیں گے۔ ہم پر حکیم صاحب مرحوم کے احسانات ہیں۔ جن سے

ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب حکیم صاحب مرحوم مغفور کے چھوٹے صاحبزادہ ہیں۔ آج سے بتیس یا تینتیس سال پہلے حاجیوں کی طبی خدمات کی نیت سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعا کی کہ "خداوندا مجھے اپنے محبوب کے جوار میں رہنے" اور مدینۃ الرسول کے باشندوں اور حاجیوں کی خدمت کا موقع نصیب فرما۔ دعا مقبول ہوئی اور خدا نے ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کو دین و دنیا دونوں سے نوازا۔ اس دفعہ مجھ سے فرما رہے تھے کہ مرض و مجبوری کی بات تو دوسری ہے لیکن مسلسل پچیس سال تک میں نے حرم نبوی کی نماز باجماعت ترک نہیں کی اور دربار رسالت میں صبح و شام کا درود و سلام کبھی نہیں چھوٹا اور اب تو ماشاءاللہ ڈاکٹر صاحب مدینہ طیبہ کے رئیسوں میں ہیں اور صلاح و تقوی کے آثار چہرے سے نمایاں۔ ڈاکٹر صاحب کا مکان حرم نبوی سے گویا بالکل ملا ہوا ہے۔ صرف فندق بہاء الدین کی عمارت درمیان میں حائل ہے حج کے موسم میں نماز کی صفیں ڈاکٹر صاحب کے مکان تک لگتی ہیں۔ مدینہ طیبہ میں میرا قیام پندرہ دن رہا۔ اور ڈاکٹر صاحب ہی کا مہمان رہا۔ بس سے اتر کر ڈاکٹر صاحب کے یہاں آیا اور وضو کر کے مسجد نبوی حاضر ہوا۔ عصر کی اذان ہو چکی تھی۔ ابھی مدینہ طیبہ میں کچھ زیادہ زائرین نہیں آئے تھے مجھے خاص مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اس کے اس حصے میں جو "روضہ من ریاض الجنۃ"[1] ہے جگہ مل گئی۔ چار رکعتیں پڑھیں اور پھر عصر کی نماز جماعت سے فارغ ہو کر روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہوا۔ حاضری پر جو کیفیت رہی اس کا بیان نہ ضروری ہے اور نہ

---

[1] جنت کے باغوں میں سے ایک باغ - ۱۲
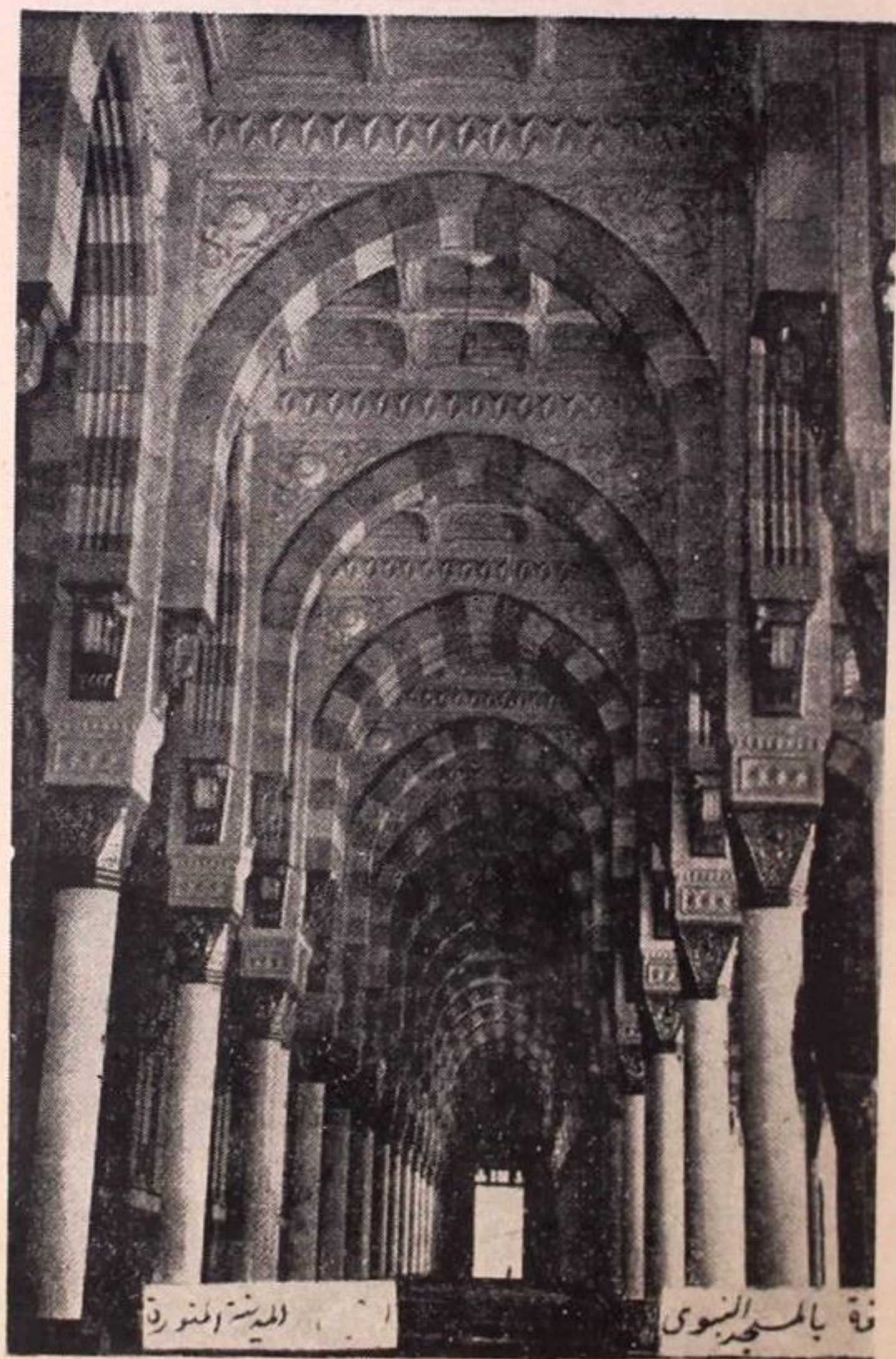
مسجد نبوی کی جدید تعمیر کا ایک حصہ
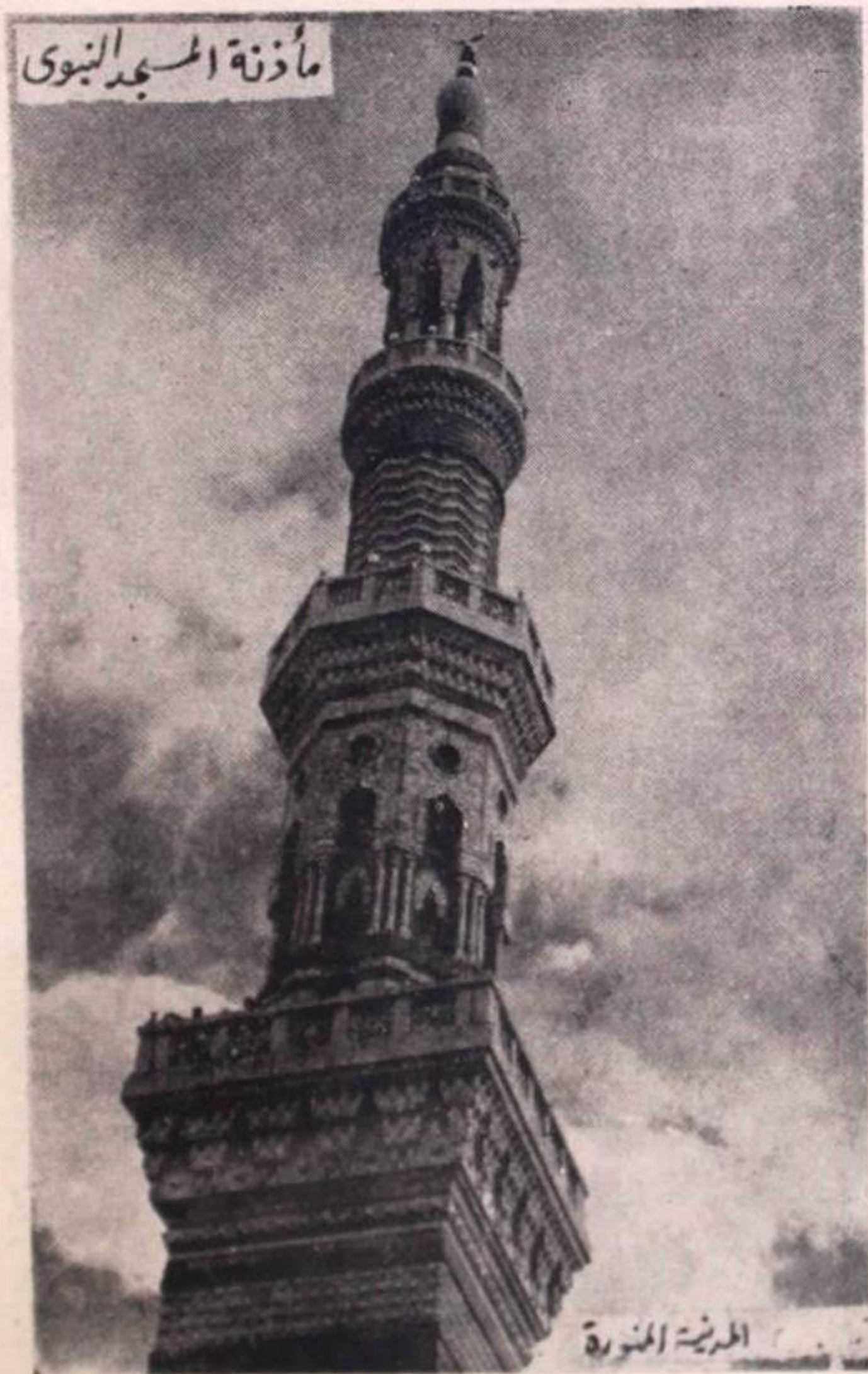
مسجد نبوی کا جدید اذان خانہ

مناسب صلوٰۃ وسلام کے بعد اپنے بزرگوں، احباب، مخلصوں اور عزیزوں کا سلام پہنچایا۔ الحمد للہ کہ پندرہ دنوں کے قیام مدینہ طیبہ میں نہ کوئی جماعت چھوٹی اور نہ صبح وشام کی حاضری اور صلوٰۃ وسلام میں فرق آیا۔ اپنا معمول یہ بنالیا تھا کہ تہجد کی اذان کے وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوتا اور اشراق کے بعد صلوٰۃ وسلام پڑھ کر واپسی ہوتی۔ قیام مدینہ طیبہ کے دوران رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عنایتیں اور شفقتیں اس تباہ حال اور سیاہ کار راقم الحروف پر رہیں۔ اس کا شکر ادا نہیں کیا جاسکتا۔ جو کچھ ہوا وہ آپ کی شان رحمت کے مناسب تھا۔ مجھ جیسا تباہ حال اس کے لائق نہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

ہمارے بہت سے مخلصین جو اس سال حج وزیارت کے لئے آئے ہوئے تھے ان سے مدینہ طیبہ میں ملاقاتیں رہیں۔ حاجی امجد اللہ صاحب گورکھپور حاجی نصیر الدین صاحب بارسوئی ضلع پورنیہ۔ حاجی معین الدین صاحب خالص پور دربھنگہ۔ حاجی عبد اللطیف صاحب دھنباد وغیرہ کے نام اس وقت یاد رہیں۔ مولانا محمد سالم صاحب مدرس دار العلوم دیوبند، مولوی عبد الحی صاحب پیشکار دفتر اہتمام دار العلوم دیوبند بھی حج کو آئے ہوئے تھے۔ ان حضرات سے بھی اچھی صحبتیں رہیں۔

مدینہ طیبہ میں تمام ہی زیارت گاہوں پر حاضری دی۔ جنت البقیع مسجد قبا، ذو القبلتین، مسجد حمزہ، مسجد عمر، مسجد علی، مسجد بلال، شہداء عثمان غنیؓ دار ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور جبل احد وغیرہ۔

۹ / اپریل کو حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ کی سرکردگی میں

جامعہ اسلامیہ" جانا ہوا۔ شیخ محمد العبودی امین العالم (رجسٹرار) اور نائب
رئیس جامعہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز سے ملاقات ہوئی۔ جامع کے نصاب تعلیم
اور طریقہ تعلیم پر گفتگو ہوتی رہی۔ اسی وقت طلبہ و مدرسین کا اجتماع ہوا جسمیں
موسم حج کی مناسبت سے نائب رئیس الجامعہ نے جو نما بنا ہی مختصر سا بیان دیا۔
اور جامعہ سے متعلق کچھ اعلانات کئے پھر حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے اپنی
لکھی ہوئی تقریر پڑھی۔ جو عام طور پر پسند کی گئی اور عموماً جامعہ کے طلبہ اور مدرسین
نے تقریر سے اچھا اثر قبول کیا۔ حضرت موصوف نے اپنی تقریر میں خصوصیت کے
ساتھ دار العلوم دیوبند کا تعارف کرایا تھا اور دار العلوم کے مقاصد اور اس کے
تعلیمی نظام پر بڑی جامع اور مانع بحث کی تھی مصر و حجاز کے اس سفر سے میں نے
اندازہ کیا کہ عرب ممالک میں دار العلوم دیوبند کا کوئی خاص تعارف نہیں ہے
پڑھے لکھے لوگ بھی عموماً دار العلوم دیوبند کے نام تک سے ناواقف ہیں۔
اور غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند
نے دار العلوم کا تعارف بلیغ اور ستھرے انداز میں کرایا۔

جامعہ اسلامیہ میں متعدد ہندوستانی طلبہ بھی داخل ہیں۔ ندوی بھی اور دیوبندی
بھی اور دوسرے مدارس کے فضلا بھی۔ بہتوں سے ہماری ملاقاتیں رہیں۔ لیکن
زیادہ آمد و رفت مولانا محمد حنیف ندوی نیپالی۔ مولانا جمیل احمد قاسمی دربھنگوی
کی رہا کرتی تھی۔ بالخصوص مولانا محمد حنیف ندوی کی عنایتیں اس عاجز پر مدینہ طیبہ
میں اور پھر مکہ معظمہ میں بھی بہت زیادہ رہیں۔ موصوف تقریباً روزانہ ہی تشریف
لاتے اور انہوں نے ہر قدم پر ہمیں سہولتیں بہم پہنچائیں۔ حق تعالی انہیں کامیاب و بامراد کرے۔

جامعہ اسلامیہ میں طلبہ کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے۔ جو طلبہ ثانوی تعلیم حاصل کر رہے ہیں انہیں حکومت سعودیہ کی طرف سے ڈھائی سو ریال ماہوار اور جو اعلیٰ تعلیم میں مشغول ہیں، انہیں تین سو ریال ماہوار ملتے ہیں۔ مدرسین کی تنخواہیں بھی ہم ہندوستانیوں کے تصور سے بلند ہیں۔ نائب رئیس الجامعہ کی تنخواہ پانچ ہزار ریال ماہوار ہے اور مدرسین میں سے بعض کی تین ہزار بعض کی دو ہزار اور کم سے کم آٹھ سو ریال ماہوار مدرسین کو ملتے ہیں۔ تنخواہ کے سوا ہر مدرس کو سال میں مزید دو ماہ کی تنخواہ مکان کے کرایہ کے لئے ملتی رہے۔ طلبہ کے لئے بسیں اور مدرسین کے لئے کاریں ہیں جو روزانہ انہیں مدینہ طیبہ سے جامعہ لے جاتی ہیں اور پھر لے آتی ہیں۔ مدینہ منورہ سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر شاہی محل ہے۔ اسی کے سامنے فوج کے رہنے کے لئے مکانات اور بارکیں بنی تھیں اسی کو جامعہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ طلبہ وہیں رہتے ہیں عصر کی نماز سے پہلے مدینہ طیبہ چلے آتے ہیں اور عشاء کے بعد واپس جاتے ہیں۔ مولانا محمد ناظم ندوی سے بھی مدینہ طیبہ میں عرصہ کے بعد خوب ملاقات رہی۔ موصوف علی نگر ضلع مونگیر کے رہنے والے ہیں۔ عربی زبان و ادب میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں تقسیم ہند سے پہلے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی ادب کے استاد تھے تقسیم کے بعد پاکستان چلے گئے اور جامعہ عباسیہ بھاولپور میں درس و تدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ حکومت سعودیہ نے موصوف کو ایک سال کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ بلا لیا ہے اور یہاں عربی زبان و ادب کے استاد کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں۔

عزیزی ڈاکٹر محمد خلیل بھی مدینہ طیبہ ہی میں ہیں اور ہیلتھ آفیسر (HEALTH OFFICER)

ہیں۔ عزیز موصوف ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کے بڑے صاحبزادہ ہیں۔ حیدرآباد دکن سے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس (M.B.B.S.) کیا اور اس وقت سے ابتک سعودی حکومت کے محکمۂ صحت سے متعلق ہیں۔ ماشاء اللہ انہیں اپنی ذمہ داری کا پورا احساس ہے۔ اور خدمت کا جذبہ غالب ہے۔ بڑے خلیق اور ملنسار، مکان پر بھی مریضوں کی آمد و رفت کافی رہتی ہے۔ بغیر فیس کے دیکھتے ہیں اور اکثر و بیشتر حالات میں اپنے پاس سے دوائیں بھی مفت دیتے ہیں۔ میری طبیعت کچھ مضمحل ہوئی تو ڈاکٹر خلیل نے نسخہ لکھا اور دوا بھی اپنے پاس سے دی۔ الحمدللہ دو ہی تین خوراکوں میں طبیعت بحال ہوگئی اور پھر مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت دو تین قسم کی دوائیں انہوں نے ہمارے ساتھ کر دیں اور اس کا موقع استعمال بتلا کر کہا کہ منیٰ اور عرفات میں اگر کسی کو ضرورت ہو تو یہ دوائیں ان کو دی جائیں۔ جذبہ یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو حج بیت اللہ کرنے والوں کی خدمت کی جائے۔

عرب میں ڈاکٹروں کے نسخہ لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ دواؤں کے انگریزی نام انگریزی رسم الخط میں لکھیں گے اور طریقہ استعمال عربی زبان اور عربی رسم الخط میں۔ یہ مجھے اس نسخے سے معلوم ہوا جو ڈاکٹر خلیل موصوف نے میرے لیے لکھا تھا

۱۵ اپریل کو میں اور مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ بذریعہ ہوائی جہاز جدہ آئے اور جدہ سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ معظمہ حاضر ہوئے۔ طواف و سعی وغیرہ سے فارغ ہو کر احرام کھولا اور میں نے سید محمد ابراہیم شیخ کے یہاں قیام کیا۔ مکہ معظمہ کے پورے زمانۂ قیام میں موصوف ہی کا مہمان رہا۔ انہوں نے مجھے اپنے ہی کمرے میں ٹھہرایا۔ میری راحت و عافیت کا ہر وقت پورا خیال رکھا

اور حقیقت یہ ہے کہ عرب کی مہمان نوازی کا حق ادا کیا۔ سید ابراہیم رشیخ صوبہ بہار کے معلم ہیں۔ اور ہمارا ان سے ایک اور رشتہ بھی ہے۔ موصوف کے والد ماجد سید جعفر رشیخ حضرت والد ماجد علیہ الرحمہ کے مخلص مریدوں میں تھے۔ اور سید ابراہیم رشیخ کی والدہ پچینہ ضلع مونگیر کی تھیں۔ بہر حال میں موصوف کے یہاں اپنے گھر کی طرح رہا۔ میں سید ابراہیم کا ممنون احسان ہوں اور ان کے لئے فلاح دارین کی دعا کرتا ہوں۔ اس سال حج کا موسم نہایت خوشگوار رہا مکہ معظمہ، منیٰ، عرفات کہیں بھی موسم گرما کی شدت کا احساس نہ ہوا۔ اور مزدلفہ کی رات تو اتنی ٹھنڈی تھی کہ موٹا کمبل اوڑھنا پڑا مکہ معظمہ میں بھی بہت سے ہندوستانی مخلصین سے ملاقات رہی۔ مولانا جمیل احمد صاحب حافظ خوشتر صاحب، حاجی بدیع الزماں عرف بچہ بابو مظفر پور، مولوی شاہ ابوالقاسم صاحب، حاجی نجم الدین صاحب، حاجی رئیس الدین صاحب نجتیا رپور ضلع مونگر، مولوی محمد طاہر صاحب ایم۔ پی۔ حاجی لقمان صاحب پورنیہ۔ مولوی سعد اللہ صاحب بخاری مونگیر۔ اس دفعہ مونگیر سے ڈاکٹر احسن صاحب بھی بذریعہ ہوائی جہاز حج کو گئے ہوئے تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ گرچہ میں اور ڈاکٹر صاحب موصوف مونگیر ہی کے رہنے والے ہیں لیکن ملاقات ہم دونوں کی گویا مکہ معظمہ ہی میں ہوئی۔ ماشاء اللہ صالح اور سادہ جوان ہیں۔ حق تعالیٰ انہیں اپنی مرضیات پر چلائے۔ ضلع مونگیر سے ایک چھوٹا سا قافلہ اور گیا ہوا تھا جس میں مولانا ابوالحسن صاحب حاجی معین الدین صاحب پچبیر، حاجی قمر الدین صاحب اور ڈاکٹر حاجی سلیم تھے۔ منیٰ اور عرفات میں ہم لوگ ایک خیمہ ہی میں رہے

اور ان دونوں جگہوں پر اسی چھوٹے قافلے نے میری میزبانی کی، اور مجھے راحت پہنچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حق تعالیٰ اس کا اجر قبولیت حج کی شکل میں عنایت فرمائے۔ مولانا عبداللہ عباس ندوی پھلواروی سے تو غائبانہ تعارف تو بہت پہلے سے تھا لیکن بالمشافہ ملاقات مکہ معظمہ ہی میں ہوئی۔ موصوف رابطۂ عالم اسلامی سے متعلق ہیں اور لندن یونیورسیٹی سے تفسیر میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنے کی تیاری کر رہے ہیں حق تعالیٰ نے علم کے ساتھ عمل سے بھی نوازا ہے اس عاجز کے ساتھ عزیزوں کی طرح پیش آئے۔ مکہ معظمہ کا قیام انہیں مبارک ہو۔ اور خدا انہیں اپنے گھر کی برکتوں سے مالامال کرے۔

حج سے پہلے ۵ ذی الحجہ کو عالی جاہ امیر فیصل (اب یہی نجد و حجاز کے حقیقی حکمران ہیں) کی طرف سے شاہی محل میں دعوت ہوئی جس میں علماء، فضلاء اور ممتاز حجاج کو مدعو کیا گیا تھا۔ اس موقع پر امیر فیصل موصوف نے عالمانہ انداز کا وعظ کہا۔ مدعوئین سے ملاقاتیں کیں اور پر تکلف قسم کی دعوت ہوئی۔ محل کافی وسیع ہے۔ بیٹھنے اور کھانے کے ہال ایر کنڈیشنڈ (AIR CONDITIONED) ہیں۔ لیکن غیر ضروری تکلفات اور آرائش سے خالی۔ پورے محل میں ہر طرف سادگی نظر آتی ہے۔ پھر ۱۴ ذی الحجہ کو رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے اسی محل میں ایک تعارفی تقریب ہوئی۔ مفتی اعظم سید امین الحسینی، ڈاکٹر سعید رمضان اور الحاج احمد وبلو وزیر اعظم شمالی نائجیریا نے تقریریں کیں۔ ہم سبھوں نے پر تکلف کھانا کھایا۔ اس تقریب کا مقصد حج کے موقع پر دنیا کے مختلف ممالک سے آئے ہوئے اہم حضرات سے ملاقات و تعارف تھا۔

رابطہ عالم اسلامی کے جلسہ کے بعد دوسرے دن میں نے "شیخ سرور صبان"
امین عام (جنرل سکریٹری) رابطہ عالم اسلامی کو ایک خط کے ذریعہ اپنے تاثرات
سے مطلع کیا۔ خط کی بعینہ نقل اخیر میں دی جارہی ہے۔ اسی موقع پر میری ملاقات
شیخ محمد شماع قاضی دمشق سے ہوئی۔ میں نے امارت شرعیہ اور دارالقضاء کے
متعلق کچھ تفصیلات بتلائیں۔ شیخ موصوف چونکہ خود دمشق کے قاضی ہیں اور ہندستان
کے حالات سے بھی کچھ واقف ہیں۔ اس لئے انہیں امارت شرعیہ اور محکمۂ قضاء کے
حالات سن کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی اور فرمانے لگے کہ غیر اسلامی حکومت
میں جہاں کا نظام سیکولر ہو ایسے ادارہ کا قیام اور قضائے شرعی کا اجراء بڑی
چیز ہے اور دلوں کے مسلمانوں کا حکومت کی طاقت کے بغیر شرعی فیصلوں کو
اپنے اوپر نافذ و جاری کرنا خدا ترسی اور ایمان کی علامت ہے۔

امارت شرعیہ اور محکمۂ قضاء پر مسلم ممالک کے لوگوں کا اظہار حیرت کوئی
تعجب کی بات نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پورے عالم میں صرف سعودی حکومت
ایک ایسی حکومت ہے جہاں بڑی حد تک اسلامی احکام و قوانین جاری ہیں بلقیہ
تمام ہی مسلم حکومتوں کے متعلق مجھے اس سفر میں معلوم ہوا کہ وہاں دو طرح کے
قوانین جاری ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق احوال شخصیہ سے ہے اور ایک وہ
جن کا تعلق احوال مدنیہ سے ہے۔ احوال شخصیہ کے عنوان کے تحت نکاح،
طلاق، حضانت، وراثت، خلع، رضاعت وغیرہ کے معاملات آتے ہیں
جسے ہندوستان میں 'پرسنل لا' کہتے ہیں۔ ان معاملات کا فیصلہ شرعی اصولوں
کے تحت ہوتا ہے۔ اور جس ملک میں جس امام کی فقہ کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

اسی کے مطابق فیصلوں کا نظم ہے۔ مثلاً صومال، مصر، غزہ، وغیرہ میں قضائے شرعی میں فقہ شافعی کی پابندی کی جاتی ہے اور ان ممالک میں جو محکمۂ قضاء قائم ہیں وہ دائر شدہ مقامات کے فیصلے فقہ شافعی کے مطابق کرتے ہیں۔ اور الجزائر وغیرہ میں فقہ مالکی کا رواج ہے۔ بقیہ تمام اجتماعی اور مالی معاملات "احوال مدنیہ" کے تحت ہیں اور اس قسم کے تمام معاملات میں وہی قانون جاری ہے جو یورپین حکومتیں وہاں چھوڑ کر گئی ہیں۔

بہر حال حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے ارکان حج پورے ہوگئے۔ اس رحیم و کریم سے قبولیت کی بھی امید ہے۔ ۵/ مئی کو مکہ معظمہ سے جدہ آیا۔ ۶/ مئی کی شام کو مسٹر شہاب الدین[1] فرسٹ سکریٹری سفارت خانہ ہند برائے حکومت سعودیہ نے کھانے پر بلایا۔ شہاب الدین صاحب ایک ذہین اور ترقی کرنے والے نوجوان ہیں۔ خدمت کا بے پناہ جذبہ دل میں رکھتے ہیں۔ میں نے مدینہ طیبہ اور مکہ معظمہ دونوں جگہ دیکھا کہ ہندوستان سے آئے ہوئے حاجیوں کی ہر ممکن خدمت کے لئے ہر وقت مستعد و تیار رہتے تھے، فرداً فرداً ہر ہندوستانی حاجی سے ملنا، ان کی دقتوں اور تکلیفوں کو معلوم کرنا اور اسے دور کرنے کی امکانی سعی کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس سال موسم حج میں ان کی موجودگی ہندوستانی

---

[1] بھبھوا ضلع گیا کے رہنے والے ہیں۔ ان کی تعلیم کا زمانہ بڑا شاندار گزرا۔ اور پھر ملازمت کے دوران انہوں نے جو امتحان بھی دیا۔ اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ حکومت ہند کی وزارت خارجہ نے اس ذہین اور ہونہار نوجوان کو اپنے محکمہ سے منسلک کر لیا۔ پہلے امریکہ میں رہے، اور اب ترقی کر کے جدہ آگئے ہیں۔ ۱۲

حاجیوں کے لئے بے حد مفید ثابت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمت اور محنت کو قبول فرمائے
موصوف ہی کے یہاں شیخ حسین سراج[1] ڈائریکٹر جنرل مسلم ورلڈ لیگ سے ملاقات ہوئی
اور دیر تک مختلف موضوع پر باتیں ہوتی رہیں۔ مولوی خالد سیف اللہ[2] صاحب قاسمی فاضل
الازہر نے ترجمان کے فرائض خوبصورتی سے انجام دیئے شیخ موصوف کو میں نے ہندستان آنے
کی دعوت دی۔ انہوں نے قبول فرمالیا اور وعدہ بھی کیا۔
۷ رمئی کی صبح کو آٹھ بجے حکومت سعودیہ کے بوئنگ طیارہ سے کراچی آیا۔ کراچی سے
دوسرے جہاز میں بمبئی پہنچا اور اسی دن بمبئی سے سات بجے شام کو چل کر گھنٹہ بھر میں دہلی
پہنچا۔ دو دن دہلی میں قیام رہا اور پھر ایک دن کیلئے پٹنہ ٹھہرنا ہوا، ۱۲ رمئی ۱۹۶۴ء کو مونگیر پہنچا۔
الحمد للہ کہ یہ بابرکت سفر صحت و عافیت کے ساتھ پورا ہوا۔ اور حق تعالیٰ نے حج بیت اللہ اور
زیارت روضہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا موقعہ بھی عنایت فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

---

[1] مکہ معظمہ کے ایک معزز حنفی خاندان کے قابل فخر رکن ہیں ان کے والد ماجد لیبیا میں وزیر تھے۔ خود بھی وزیر رہ چکے ہیں اور اب سعودی حکومت کے مشیر اور رابطہ عالم اسلامی کے ڈائریکٹر جنرل ہیں — ۱۲

[2] حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے نواسے مولانا حافظ محمد یوسف صاحب رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے ہیں۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد وہیں دارالصنائع کے ناظم ہوئے۔ پھر قاہرہ آکر جامع ازہر سے ادب عربی میں تخصص کیا۔ اس وقت جدہ میں ہندوستانی سفارت خانہ سے متعلق ہیں۔ ۱۲

ضمیمہ
(الف)

[وہ مقالہ جس کا عربی ترجمہ موتمر عالمی اسلامی میں پیش کیا گیا۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہٗ لا شریک لہ۔ والصلوٰۃ والسلام علی محمد لا نبی بعدہٗ

سب سے پہلے میرا فرض ہے، کہ متحدہ عرب جمہوریہ، ازہر شریف اور السید الرئیس، جمال عبد الناصر کا شکریہ ادا کروں، جنہوں نے اس موتمر کو طلب کیا۔ اور دنیا کے ہر گوشے کے علماء و فضلا کو جمع ہونے، ایک دوسرے کو سمجھنے، اور ایک دوسرے کی دینی ضروریات و مشکلات کو جاننے کا موقع بہم پہونچایا۔ جو بجائے خود ایک مفید ترین خدمت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ نفس اجتماع ہی بعض مسائل کو حل کر دے گا۔ اقطار عالم کے فضلا کی نگاہوں میں وسعت پیدا ہو گی، اور علماء ہر مسئلہ کو وسیع دائرہ میں سوچنے کے عادی ہوں گے۔ اور اس اجتماع

سے وہ اخوت اسلامیہ پیدا ہوگی جو اسلام میں مطلوب ہے اور جس کی تعبیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ "المسلم کجسد واحد اذا اشتکی عضوا منہ، اشتکی کلہ"

موتمر میں اس وقت تک جو بحثیں ہوئیں وہ ریکارڈ کرنے کے لائق ہیں۔ اور جو مقالات پڑھے گئے ان سے ہمارے علم میں معتد بہ اضافہ ہوا اور وہ مقالات پڑھنے والوں کے علم وفضل کی نہ مٹنے والی شہادتیں ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اس سے ہمارا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بلکہ موتمر کو ایسا اقدام کرنا ہوگا جس سے ہمارے دینی مسائل حل ہوں۔

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دینی اختلافات کی بڑی وجہ امور مجتہد فیہا اور فقہی جزئیات وفروع میں غیر معمولی شدت اور تعصب بھی ہے۔ ان فروعی مسائل کے ساتھ ہم نے وہی معاملہ کیا ہے جو امور منصوصہ کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ دنیا میں ایسے علاقے بھی موجود ہیں جہاں دوسری فقہ پر عمل کرنے والوں کے پیچھے نمازیں ادا کرنے سے انکار کیا گیا ہے۔ اور ایسے مقام بھی موجود ہیں جہاں دوسرے مسلک والوں کے داخلہ پر مسجدیں دھلوائی گئی ہیں، کہ ان کے داخلہ سے مسجدیں ناپاک ہوگئیں۔ اور ان ہی اختلاف کی بنیاد پر مسلمانوں نے جدال وقتال کیا ہے۔ کاش ان کی نظر حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اسوہ پر ہوتی۔ کہ جب خلیفہ مہدی اور خلیفہ ہارون نے امام سے چاہا کہ موطا امام مالک کی نقلیں کرا کے مختلف اسلامی ریاستوں میں بھیج دیں اور حکم دیں کہ اسلامی ممالک میں اسی پر عمل

کیا جائے۔ تو گرچہ امام مالکؒ کو موقع تھا، کہ وہ اپنے مسلک کو عالم اسلامی میں حکومت کے سہارے پھیلا دیں، لیکن امام نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ یہ جواب دیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دین لے کر دنیا میں پھیل گئے اور انہوں نے سنت رسول کی بنیاد پر ہی اپنے اپنے طریقوں سے دین کو پھیلایا اور اس پر عمل کیا۔ تو پھر ہم کو اس کا حق نہیں پہنچتا کہ دین کو ایک ہی طریقہ میں محصور کر دیں اور صحابہ کے پھیلائے ہوئے طریقوں کو ختم کر دیں جبکہ ان مسالک وطرق کی بنیاد بھی قرآن وسنت ہی پر ہے۔ اگر امام مالک کا یہ اسوہ ہمیشہ ہمارے سامنے رہتا تو فروع وجزئیات کے راستہ سے دینی اختلاف پیدا نہ ہوتے۔

ان فروعی مسائل کو غیر معمولی اہمیت دینے کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے علماء اور اصحاب فتاویٰ کی نظر دین کی ابدی بنیادوں اور عالمگیر اصولوں سے ہٹ کر فروع پر آگئیں اور اصل دین مستور ہو گیا۔ جس پر نجات انسانی کا مدار ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے مسائل نے اس کی جگہ لے لی۔ جس سے وحدت اسلامیہ کو غیر معمولی نقصان پہنچا۔ اخوت اسلامی پارہ پارہ ہو گئی۔ اور وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین۔ اور وما ارسلناک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا کا اعلان بے معنی ہو گیا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ فروعی مسائل میں غیر معمولی شدت کو ختم کیا جائے۔ اور ہر مسئلہ کو وہی جگہ دی جائے جس کا وہ مستحق ہے۔ اور حجۃ دینیہ کے پیش نظر اس کا جو مقام ہے اور ہم اصل دین کو دنیا کے سامنے پیش کریں جیسے محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم رہتی دنیا تک کے لئے اور ہر ملک و مکان تک کے لئے
لے کر آئے تھے۔

اس وقت دنیا کے ہر گوشہ کے ممتاز فضلا جمع ہیں۔ ہر شخص کسی نہ کسی اسٹیٹ کا رہنے والا ہے اور دنیا میں مختلف قسم کی حکومتیں قائم ہیں۔ کہیں جمہوریت، کہیں سوشلزم، کہیں کمیونزم، اور طریقہ حکومت سے ملک کے رہنے والوں کی زندگی متاثر ہوتی ہے۔ مثلاً میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں۔ ہندوستان کی اپنی خاص تاریخ ہے اور اس کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ہندوستان ایک مذہبی ملک ہے۔ مختلف مذاہب کے ماننے والے وہاں رہتے ہیں۔ وہاں کا نظام حکومت جمہوری ہے۔ اسی طرح ہر ملک کے اپنے حالات ہیں اس کی اپنی سیاست ہے۔ ظاہر ہے کہ ہر ملک کا باشندہ اپنے ہی ملک کی سیاست کا پابند ہے۔ اور اُسے ہونا چاہئے۔ ان تفاوت حالات کے باوجود ہمارا کلمہ اور ہمارے دین کی اساس اور بنیادی اصول مشترک ہیں۔ جن پر جغرافیائی اختلافات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جو ہندوستان، جاپان، مصر و حجاز، امریکہ و انگلینڈ غرض مشرق و مغرب ہر جگہ کے لئے یکساں ہیں۔ انہیں مسائل کو ہمیں سامنے لانا ہے اور لے کر چلنا ہے تاکہ اس موتمر کی رہنمائی سے پورا عالم اسلامی استفادہ کر سکے۔

دنیا مادی ترقی میں بہت آگے جا چکی ہے اور انسانی فکر کی بلندی اور نئی ایجادات نے اور اس سے پیدا شدہ نئے تمدّن نے بہت سے جدید مسائل پیدا کر دیئے ہیں جن کا تصور بھی سو دو سو سال پہلے نہ تھا اس سے

انکار نہیں کیا جا سکتا۔ وہ امور واقعہ ہیں جو ہمارے سامنے ہیں اور ہماری زندگی کو متاثر کر رہے ہیں۔ اور غالباً انسان اس حد تک آگے جا چکا ہے کہ اس سے اور آگے ہی جائے گا۔ اس کا قدم پیچھے نہیں لوٹ سکتا۔ اس لئے مستقبل مزید نئے مسائل ہمارے سامنے لائے گا۔ ظاہر ہے کہ ان مشکلات کا حل اور ان مسائل کا جواب نصوص شرعیہ پر فکر اور ان مسائل کا استنباط کئے بغیر نہیں دیا جا سکتا شرعی اصولوں کو سامنے رکھ کر مسائل کا استخراج کرنا ہو گا۔ اور نئی باتوں کا جواب دینا ہو گا۔ ورنہ امت مسلمہ ہر پیش آنے والی چیز کو قبول کرتی جائیگی خواہ وہ اصول دین اور روح اسلام کے موافق ہو یا مخالف۔

اس مشکل کا یہ حل کہ فقہائے اسلام کی مدونہ فقہ کو ہر مسلمان کے لئے عام کر دیا جائے اور جس مسئلہ میں جون سی فقہ مشکل کو حل کرتی ہو۔ اسے اختیار کر لیا جائے۔ ہمارے خیال میں اس طریق کار سے ہماری دقتیں حل نہ ہوں گی آج بھی ایسے مسائل ہیں جن میں تمام فقہا کی فقہ خاموش ہے۔ اور زمانہ کی ترقی اور انقلاب کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اگر آج ہم کو مشکلات کا حل کسی نہ کسی فقہ میں مل جاتا ہے تو کل یقیناً نہیں۔ اور تمام فقہ ساکت نظر آئے گی۔ اس لئے اگر اسلام ہر زمانہ اور ہر مکان کے لئے ہے۔ اور قیامت تک کے لئے ہے اور اگر محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت عالمگیر ہے۔ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب رہتی دنیا تک کے لئے نور اور ہدایت ہے۔ تو اجتہاد کا دروازہ کھولنا پڑے گا۔ اس کے بغیر ہماری مشکلات کا حل شاید نہ ہو سکے۔ لیکن ہاں یہ دروازہ اس طرح نہ کھولا جائے کہ دین میں ہماری ذاتی رائے اور شخصی رجحانات داخل ہو جائیں۔

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور آثار صحابہ سے صحیح طور پر استدلال کرتے ہوئے نئے مسائل کے جوابات دیئے جائیں ائمہ فقہ کی محنت اور کاوشوں سے بھی پورا فائدہ اٹھایا جائے۔ خلفائے راشدین اور قرن اول کی تاریخ بھی ہمارے سامنے رہے۔ جو چیز ان راستوں سے سامنے آئے گی قابل قبول ہوگی ورنہ لائق رد۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ اہم کام کس طرح انجام دیا جائے۔ تو میں عرض کروں گا کہ علمائے ہند کے سامنے بھی یہ مسئلہ پوری اہمیت کے ساتھ آیا اور گزشتہ ستمبر میں ہندوستان کے قابل ذکر علماء کا اجتماع میری صدارت میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ہوا۔ ہم لوگوں نے ان مشکلات کو حل کرنے کے لیئے علماء کا ایک بورڈ بنایا۔ سوالات مرتب کرنے کے لیئے ایک کمیٹی ترتیب دی اور عالم اسلامی کے فضلا کی ایک فہرست مرتب کی، تاکہ کمیٹی کے مرتب کردہ سوالات علمائے اسلام کے پاس بھیجے جائیں اور ان کے جوابات کی روشنی میں بورڈ فیصلہ کرے کہ اس مسئلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

میری رائے میں اس اجتماع کو صرف مقالات اور مناقشات پر منتشر نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ علماء عالم اسلامی کا ایک بورڈ بننا چاہیئے۔ سوالات مرتب کرنے کے لیئے ایک کمیٹی ہونی چاہیئے اور عالم اسلامی کے علماء کی ایک فہرست مرتب ہونی چاہیئے۔ ان مراحل سے گذر کر بورڈ کو مشکلات کے حل اور مسائل کے جواب کا اعلان کرنا چاہیئے۔

سوالات کس قسم کے ہوں اور فیصلہ اور اعلان کس نوع کے مسائل

کا کیا جائے۔ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔ جس کے لئے میری سابقہ گفتگو میں اشارات موجود ہیں۔ اس وقت صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سوالات بالکل اصولی اور بنیادی ہوں اور فیصلہ اور اعلان بھی ایسے ہی مسائل میں کیا جائے اور اور فروع و جزئیات کو زمان و مکان کے حوالہ کر دیا جائے۔ کہ ہر ملک کا مفتی اپنے ملک کے حالات کے پیش نظر اس عالمی فیصلہ اور اعلان کے تحت فروع کا استنباط کر سکے اور جزئیات بتلا سکے۔

آخر میں پھر موتمر طلب کرنے والوں کا صدق دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس مبارک عالمی اجتماع پر انتہائی مسرت کا اظہار کرتا ہوں اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ وہ متحدہ عرب جمہوریہ کو مضبوط اور مستحکم بنائے اور اسے توفیق بخشے کہ عالم اسلامی کی صحیح رہنمائی کر سکے۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔
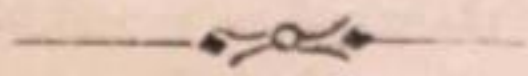
ضمیمہ
(ب)

[مکتوب بنام شیخ سرور صبان امین العام رابطۂ عالم اسلامی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فضیلۃ الشیخ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں رابطۂ عالم اسلامی کے جلسہ اور دعوت میں ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ کو شریک ہوا۔ جلسہ عالم اسلامی کے نمائندوں کی شرکت کے لحاظ سے کامیاب رہا۔ جلسہ تلاوت قرآن سے شروع ہوا اور تلاوت ہی پر ختم ہوا۔ درمیان میں چند وعظ اور دو قصیدے پڑھے گئے۔ رابطہ عالم اسلامی کا تعارف اور اس کے اغراض و مقاصد اور طریق کار کی وضاحت پر کوئی تحریری یا تقریری بیان سامنے نہ آیا۔ رابطۂ عالم اسلامی کے سلسلہ میں اپنے خیالات میں نے ظاہر کرنے کی اجازت چاہی، تو معلوم ہوا کہ پروگرام پہلے سے مرتب ہے۔ اس میں کسی حذف

و اضافہ کی گنجائش نہیں۔ غرض ہم لوگ جلسہ میں حاضر ہوئے اور سماعتِ قرآن مجید کے برکات سے مستفیض ہوئے۔ چند مواعظ اور قصائد سنے، اچھی دعوت کھائی اور واپس چلے آئے۔ جو حضرات پہلی مرتبہ رابطۂ عالم اسلامی کے جلسہ میں شریک ہوئے ان کے ذہن رابطہ عالم اسلامی کے اہم اور قیمتی مقاصد سے روشن نہ ہوسکے۔ ان حالات میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مختصر سی تحریر کے ذریعہ بعض ضروری باتیں رابطہ کے ذمہ داروں کے سامنے پیش کردوں۔ اتنی سی بات اور عرض کردوں کہ حجاز کی حاضری سے پہلے میں مصر گیا تھا۔ اور قاہرہ میں ۷ مارچ ۱۹۶۴ء سے ۲۳ مارچ ۱۹۶۴ء تک موتمر عالم اسلامی میں شریک ہوا۔ مختلف ممالک کے لوگوں سے ملنے اور حالات معلوم کرنے کا موقع ملا۔ خود مصر کے حالات سے بھی ایک حد تک واقفیت حاصل کی۔ ذیل کی تجاویز میں ان تاثرات کو بھی دخل ہے جو مجھ پر سفر مصر میں ہوئے:۔

(۱) حج کے موقع پر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں بھی منظم طریقہ پر رابطۂ عالم اسلامی کے اغراض و مقاصد اور اس کے طریقۂ کار کی اشاعت تحریری اور تقریری دونوں طریقہ پر ہونی چاہیئے اور مختلف زبانوں میں متفرق ملکوں کے لوگوں کو خاص طور پر متعیّن کیا جائے کہ وہ اپنے اپنے ملک کے لوگوں کے سامنے رابطہ کی اہمیت اور اس کی ضرورتوں کو بتلائیں اور اس زبان کا لٹریچر تقسیم کریں اور پھر ایک بڑے اور نمائندہ اجتماع میں "رابطہ" کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی دعوت دی جائے اور مختلف ملک کے لوگوں سے تائیدی تقریریں

کرائی جائیں۔

(۲) ہر ملک میں "رابطہ" کی شاخ قائم کی جائے اور وہ شاخ اپنے ملک کی زبان میں رابطہ کے مقاصد اور کاموں کی اشاعت کرے اور اس ملک کے مدارس، انجمنوں، اداروں" اور نمائندہ اشخاص کا تعلق "رابطہ" کے ساتھ پیدا کرے۔

(۳) جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کو عالم اسلامی کا تعلیمی مرکزی ادارہ بنایا جائے اور اس کا نظام ایسا جاذب اور دلکش بنایا جائے کہ اسلامی ممالک کے طلبہ آکر اعلیٰ تعلیم حاصل کریں۔ اور نصاب ایسا مرتب کیا جائے جو دینی اور دنیاوی دونوں ضروریات کو پورا کرسکے۔ جامعہ اسلامیہ کے فضلاء اگر مفتی وقاضی کے فرائض انجام دے سکیں تو وہ دوسری طرف اپنے ملک کے وزیر بھی ہوسکیں اور حکومت بھی چلاسکیں۔ عالم اسلامی کا مرکز اور مقتدا صرف حجاز ہی ہوسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اس ذمہ داری کو قبول کرلے اور اس فرض کو انجام دینے کے لئے تیار ہو۔ اگر خدا نخواستہ اس فرض کی ادائیگی سے پہلو تہی کی گئی تو لادینیت کے سیلاب کا پانی ہر مسلمان کے گھر میں پہنچ کر رہے گا۔

(۴) اگرچہ یہ بات افسوسناک ہے، مگر ایک واقعہ ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن جو لادینیت کا پیش خیمہ ہے۔ حجاز میں بھی چور دروازہ سے داخل ہوچکا ہے اور یہاں ذہن مغرب سے متاثر اور اس کی برتری کے معترف ہوتے جارہے ہیں۔ اس کا علاج، صحیح دینی، تعلیم و تربیت ہی کے ذریعہ ہوسکتا

ہے ۔ ورنہ اگر کہیں مسیحا بھی صاحب فراش ہوا تو مریض کا خدا ہی حافظ ہے۔ "رابطہ" کو اپنی پوری توجہ اپنی پہلی فرصت میں اس طرف دینی ہے۔ اگر حجاز کے پاس صحیح علم ہو اور یہ احساس بیدار ہو جائے کہ ہم اس دین کے خادم اور عالم اسلامی کے مقتدا ہیں، تو مغربیت کا چور آپ سے آپ بھاگے گا اور اس ملک میں اسکو پناہ نہ مل سکے گی اور ذہنی مرعوبیت بھی دور ہو گی۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

قیمت کتاب :- ۲ روپے ۵۰ پیسے

ملنے کے پتے :-

(۱) دار الاشاعت امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ

(۲) دار الاشاعت خانقاہ رحمانی - مونگیر

مطبوعہ :- لیبل لیتھو پریس، رمنہ روڈ - پٹنہ ۴